نام نیک رفتگاں ضائع مکن

الجزیہ

سعید انصاری

(م ۱۹۶۲ء)

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

Marfat.com

نام نیک رفتگاں ضائع مکن

الجزیہ

سعید انصاری

(م ۱۹۶۲ء)

الحاج محمد وقار مجید ذخیرہ

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

تقسیم کار : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۲۵

135041

صدر دفتر : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۲۵

شاخیں :

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۔ ۴۰۰۰۰۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علیگڑھ ۔ ۲۰۲۰۰۲

اشاعت : ۱۹۹۵ء
قیمت : پچاس روپے

پاکیزہ آفسٹ، محمد پور روڈ، شاہ گنج، پٹنہ ۶

Marfat.com

حرفِ چند

ہندستانی مسلمانوں نے جن امور کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں ان میں سے ایک جزیہ بھی ہے۔

ہمارے دوست مرحوم سعید انصاری صاحب نے اس مضمون پر ایک زمانے میں معارف میں بہت تفصیل سے لکھا تھا وہ اہم تحقیق مدت سے نظروں سے اوجھل رہی مگر اس قابل ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچے، سو پیش کی جا رہی ہے۔

—— ع ر ب

Marfat.com

Marfat.com

الجزیہ

از

جناب مولانا سعید انصاری صاحب سابق رفیق دارالمصنفین۔

"جزیہ کے متعلق غیر مسلمون مین مدتون سے جو غلط فہمی چلی آرہی تھی، اس کو سب سے پہلے مولانا شبلی مرحوم نے الجزیہ لکھ کر دور کیا لیکن اسکے بعض پہلو پھر بھی تشنۂ تحقیق تھے، اس مضمون مین تمام ضروری پہلوؤن پر مفصل بحث کرکے جزیہ کی حقیقت واضح کی گئی ہے"

جزیہ کا لفظ: جزیہ کس زبان کا لفظ ہے؟ اس کے متعلق دو خیال ہین،

(۱) پہلا خیال یہ ہے کہ وہ عربی ہے، اس کا مادہ ج ز ی ہے، یہی خیال زیادہ عام ہے، طبری (۳۱۰ھ) جصاص (۳۷۰ھ) ابوبکر سجستانی (قبل ۳۸۶ھ) جوہری (۳۹۳ھ) راغب اصفہانی (اوائل ۵۰۰ھ) محی السنہ بغوی (۵۱۶ھ) زمخشری (۵۳۸ھ) مطرزی (۶۱۰ھ) مرغینانی (۵۹۳ھ) امام رازی (۶۰۶ھ) جمال قرشی (۶۸۱ھ) بیضاوی (۶۸۵ھ) نسفی (۷۱۰ھ) ابن مکرم (۷۱۱ھ) ابوحیان غرناطی (۷۴۵ھ) فیروزآبادی (۸۱۷ھ) مہائمی (۸۳۵ھ) بدرالدین عینی (۸۵۵ھ) جلال الدین محلی (۸۶۴ھ) جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) ابوالسعود (۹۵۱ھ) شربینی (۹۷۷ھ) محمد طاہر (۹۸۶ھ) زبیدی (۱۲۰۵ھ) محمد اشرف (۱۲۳۳ھ) آلوسی (۱۲۷۰ھ) سید صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ) جو مشہور کتب تفسیر، فقہ اور لغت کے مصنف ہین، یہی لکھتے ہین۔

(۲) دوسرا خیال یہ ہے کہ وہ فارسی ہے، اصل مین گزیت تھا، جس کے معنی خراج کے ہین، یہ خیال

Marfat.com

ابوعبداللہ محمد بن احمد بن یوسف خوارزمی (۳۸۰ھ) نے مفاتیح العلوم (ص ۵۹) میں ظاہر کیا ہے، اس کی کتاب ۱۸۹۵ء میں G. Van Vloten نے شائع کی ہے، اور ایک کتاب منتخب اللغات کے قلمی نسخہ میں بھی جو ناقص الاطراف ہے، یہی لکھا ہے، اس کتاب سے مراد اگر منتخب اللغات شاہجہانی ہے تو اس کا مصنف عبدالرشید حسینی مدنی ٹھٹھہ (سندھ) کا رہنے والا تھا جس نے اس کتاب کو حسب روایت [illegible] اور اسے ۱۰۴۶ھ میں تمام کیا،

گزیت کے دو تلفظ ہیں، فردوسی کے ان اشعار

گزیتے نہادند بر یک درم — گرایدون کہ دہقان بود دیژم
گزیتے بزار درشش درم — بخر ماستان برہمن زد رقم

اور نظامی کے اس شعر

گہش قیصر گزیت دین فرستد — گہش خاقان خراج چین فرستد

میں گزیت امیر کے وزن پر ہے، لیکن مفاتیح العلوم کے ناشر نے اس کو زبر کے وزن پر پڑھا ہے،

جزیہ کا تلفظ | جزیہ کو جو لوگ معرب نہیں مانتے، بلکہ عربی سمجھتے ہیں، وہ اس کا تلفظ دو طرح پر کرتے ہیں،

الف:- جِزیہ، جیم کے نیچے زیر یہ عام تلفظ ہے، جیسے شکوہ بمعنی شکایت،

ب:- جَزیَہ، جیم کے اوپر زبر جیسے قعدہ اور جلسہ، یہ امام ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) نے اپنی مشہور تفسیر جامع البیان (ص ۷۰ ج ۱۰) میں اور امام ابوحیان غرناطی (۷۴۵ھ) نے بحر المحیط (ص ۲۰ ج ۵) میں لکھی ہے، دوسری کتاب میں قعدہ کی جگہ پر عقدہ چھپ گیا ہے جو غلط ہے،

تنقید | میرے نزدیک عربی جزیہ، معرب جزیہ سے زیادہ قدیم ہے، اور اس کے حسب ذیل دلائل ہیں،

(۱) یہ لفظ قرآن مجید میں موجود ہے، اور چونکہ آیت جزیہ ۹ھ میں نازل ہوئی ہے[1] اس لئے عربی ادبیات میں اس کو رواج پائے ہوئے تیرہ سو سا ٹھ برس کا زمانہ گذرا ہے،

(۲) عرب کے ایک جاہلی شاعر ابو کبیر ہذلی (عامر بن حلیس)[2] جنھوں نے اسلام کا زمانہ بھی پایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے مشرف ہوئے ہیں[3]، لسان العرب ابن مکرم (۷۱۱ھ) میں جو عربی زبان میں لغت کی سب سے بڑی کتاب ہے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے (ص ۷۵ جلد ۱)

وإذا الكماة تعاوروا طعن الكلى

تذر البكارة في الجزاء المضعف

اس میں جزاء کا لفظ جزی اور جزیۃ کی جمع ہے، اور یہ دونوں لفظ جزیہ کی جمع ہیں۔

(۳) حدیث کی کتابوں میں یہ لفظ عام طور پر ملتا ہے،

(۴) امام ابو یوسف (۱۸۲ھ) نے کتاب الخراج، خاص خراج اور جزیہ پر لکھی ہے لیکن جزیہ کو معرب نہیں کہا ہے،

(۵) امام یحییٰ بن آدم (۲۰۳ھ) نے بھی کتاب الخراج تصنیف کی ہے، اور اس میں بعض ایسے الفاظ بھی آئے ہیں، جو معرب ہو کر مستعمل ہو چکے ہیں، مثلاً زمین کے خراج کے لئے طسق (ص ۷۵) پیمانہ کے لئے دِرہم (ص ۵۹) یا دستجہ جو غالباً دستہ کا معرب ہے، (ص ۱۴۴) لیکن جزیہ کو معرب نہیں لکھا ہے،

(۶) ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری (۲۸۲ھ) نے الاخبار الطوال میں بعض معرب الفاظ لکھے ہیں جیسے شمرج جو سمرہ کا معرب ہے لیکن جزیہ کے متعلق وہ بھی خاموش ہیں،

---

[1] تفسیر ابن جریر ص ۶۸ ۱۲۵ ج ۱۰۔ [2] کتاب الشعر و الشعراء ابن قتیبہ (۲۹۶) مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۲ء۔
[3] اصابہ وغیرہ،

(۷) تمام مفسرین اور فقہا نے جزیہ کو عربی الاصل سمجھا ہے،

(۸) کوئی اہل لغت اس کو معرب نہیں کہتا،

(۹) گزیت کا سب سے قدیم عربی ماخذ خوارزمی ہے، جس نے ۳۸۷ھ میں وفات پائی،

(۱۰) فارسی ماخذ میں گزیت کا لفظ سب سے پہلے فردوسی کے ہاں ملتا ہے جس نے ۴۱۱ھ میں انتقال کیا تھا، اس لحاظ سے اس لفظ کو فارسی اسلامی ادبیات میں آئے ہوئے نوسو اٹھاون برس ہوئے اور یہ مدت عربی جزیہ سے بقدر ۱۴۰ برس کم ہے،

(۱۱) فارسی میں علم لغت کی پہلی کتاب ابو الحسن علی بن احمد اسدی طوسی نے لکھی جس کا زمانہ زیادہ سے زیادہ چھٹی صدی ہجری سے قبل فرض کیا جا سکتا ہے، اس کتاب کا نام لغت فرس ہے، اور بقول مصنف بلخ، ماوراء النہر اور خراسان (گویا ایران و ترکستان) کی فارسی کے الفاظ جمع کئے ہیں، جو عربی کی آمیزش سے بالکل پاک ہیں، اور ان کی سند میں اشعار بھی پیش کئے ہیں، لیکن بایں ہمہ اس کتاب میں گزیت کا لفظ نہیں ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گزیت فارسی نہیں بلکہ جزیہ کا مفرس ہے،

(۱۲) گزیت کے جو معنی خوارزمی (۳۸۷ھ) نے لکھے ہیں، بالکل وہی معنی جزیہ کے اُن عربی مصنفین نے لکھے ہیں، جو اُن سے مقدم تھے، مثلاً طبری (سنہ ۳۱۰ھ) اور سجستانی (قبل ۳۳۰ھ) اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ معرب نہیں، بلکہ گزیت مفرس ہے

(۱۳) چونکہ صحیح لفظ گزیت بروزن امیر ہے، جیسا کہ فردوسی اور نظامی کے اشعار سے ثابت ہے اس لئے جزیہ اُس سے معرب نہیں ہو سکتا،

(۱۴) ان تمام باتوں کے باوجود یہ امکان ضرور ہے کہ اسلام سے پیشتر یہ لفظ ایران سے یمن آیا ہو اور معرب ہو کر عرب میں رائج ہو گیا ہو، لیکن یہ امکان ہی امکان ہے، شواہد سے اس کی تائید مشکل ہے،

(۱۵) یہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ اسلام سے پیشتر نہ صرف ایران بلکہ چین اور ہندوستان میں بھی جزیہ کا رواج تھا، اور اہلِ عرب تجارتی سلسلہ سے ان مقامات میں آتے جاتے تھے، اس لئے جس طرح یہ ممکن ہے کہ جزیہ کا لفظ ایران سے لیا گیا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ چین یا ہندوستان میں جزیہ کا طریقہ دیکھ کر اہلِ عرب نے اس کا عربی نام جزیہ رکھ لیا ہو۔

جزیہ کے معنی | مفسرین فقہاء اور ائمہ لغت نے جزیہ کے معنی خراج کے لکھے ہیں،

(ا) امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری (۳۱۰ھ) جامع البیان (ص ۶۴ ج ۱۰ مصر) میں لکھتے ہیں،

حتّٰی یعطوا الخراج عن رقابھم، — یہاں تک کہ وہ اپنی گردنوں کی طرف سے خراج دیں،

(ب) امام ابوبکر محمد بن عزیز سجستانی جنھوں نے ۳۳۰ھ سے قبل وفات پائی، اپنی تصنیف غریب القرآن (عرف نزہۃ القلوب) (ص ۶۲ (مصر ۱۳۲۵ھ) میں فرماتے ہیں،

الجزیۃ۔ الخراج المجعول علی راس الذمی، — جزیہ وہ خراج ہے جو ذمی کی ذات پر لگایا جاتا ہے،

(ج) شمس الائمہ ابوبکر محمد بن ابوسہل سرخسی (۴۸۳ھ) مبسوط (ص ۷۷، ج ۱۰ مصر) میں لکھتے ہیں :-

وضع خراج علی رؤوس الرجال — آدمیوں پر فی راس خراج لگانا (جزیہ) ہے،

(د) محی السنۃ ابومحمد حسین بن مسعود بغوی (۵۱۶ھ) کی معالم التنزیل (ص ۲۹۲ جلد ۲ بمبئی ۱۲۶۹ھ) میں ہے :-

وھی الخراج المضروبۃ علی — اور وہ جزیہ ان (ذمیوں) کی گردنوں پر

Marfat.com

مقررہ خراج ہے،

ک - علامہ ابوالقاسم جاراللہ محمود زمخشری (۵۳۸ھ) کی اساس البلاغۃ (ص ۹۵ جلد ۱، مصر) میں مرقوم ہے،

واشتری من دھقان ارضًا	اور اس نے کسی زمیندار سے زمین
علیٰ ان یکفیہ جزیتھا ای	اس شرط پر خریدی کہ اس کا جزیہ
خراجھا،	یعنی خراج ادا کرے گا،

و - علامہ جمال الدین محمد بن مکرم (۷۱۱ھ) نے لسان العرب (ص ۱۵۹ ج ۱۸ مصر) میں لکھا ہے،

والجزیۃ خراج الارض والجمع جِزَی	جزیہ زمین کے خراج کو کہتے ہیں،
وجِزْی،	جِزَی اور جِزْی اسکی جمع ہے۔

ز - علامہ اثیر الدین ابوحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی (۷۴۵ھ) اپنی تالیف تحفۃ الاریب بما فی القرآن من الغریب (ص ۲۰، حماۃ ۱۳۴۵ھ) میں جس کا نام سیوطی نے تحفۃ (ص ۲۲) میں اتحاف الاریب لکھا ہے فرماتے ہیں،

الجزیۃ خراج المجعول علیٰ راس	جزیہ وہ خراج ہے جو ذمی کے سر
الذمی،	پر لگایا گیا ہو،

۸۱۳

ح - علامہ مجد الدین ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروزآبادی (۸۱۷ھ) نے القاموس المحیط میں تحریر فرماتے ہیں،

والجزیۃ بالکسر خراج الارض	جزیہ (جیم کو زیر) زمین کا خراج ہے اور
وما یوخذ من الذمی	جو ذمی سے لیا جائے (وہ بھی جزیہ) ہے،

Marfat.com

ط - علامہ ابن احمد ہمائی (۸۳۵ھ) کی تفسیر تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان (ص ۲۹۸ ج ۱) میں ہے،

وھی الخراج المضروب علی الرقاب،	اور وہ (جزیہ) خراج ہے جو گردنوں پر لگایا جاتا ہے،

ی - علامہ جلال الدین محمد بن احمد محلی (۸۶۴ھ) اور علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (۹۱۱ھ) کی تفسیر جلالین (ص ۱۵۷) میں ہے،

الخراج المضروب علیھم کل عام	(جزیہ) ان (ذمیوں) پر مقرر کیا ہوا سالانہ خراج ہے،

ک - علامہ محمد بن احمد شربینی خطیب، جنھوں نے سراج المنیر کے نام سے ایک تفسیر ۹۷۷ھ میں تالیف کی، اس کے ص ۳۰۲ ج ۱ میں لکھتے ہیں۔

وھی الخراج المضروب علی رقابھم،	اور وہ (جزیہ) خراج ہے جو ان (ذمیوں) کی گردنوں پر مقرر کیا جائے

ل - مولانا محمد طاہر جنھوں نے ۹۷۶ھ میں مجمع البحار الانوار کے نام سے ایک لغت تصنیف کیا، اس کی جلد ا ص ۱۸۰ میں لکھتے ہیں

من اخذ ارضا بجزیتھا الارض ای بخراجھا،	جو شخص کوئی زمین جزیہ یعنی خراج ادا کرنے کی شرط پر لے لے،

م - علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی واسطی (۱۲۰۵ھ) نے تاج العروس (ص ۳، ج ۱۰۳) میں قاموس کی مندرجہ بالا عبارت نقل کر کے اس کے ایک لفظ (وما یوخذ) کی یوں تشریح کی ہے

(و) منہ (ما یوخذ)	اور جزیہ ہی ہے جو ذمی سے قرض لیا جاتا ہے

Marfat.com

ن ۔ مولانا محمد اشرف لکھنوی نے ایک جماعت کے ساتھ مل کر، ضخیم جلدوں مین تاج اللغات تصنیف کی تھی، اس کتاب کے مصنفین اور سنہ تصنیف کا کچھ پتہ نہین ہے، مولانا محمد اشرف کا نام مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے کتاب کی پہلی جلد کے سرورق پر تحریر فرمایا ہے الوتہ عبارت لکھی ہے،

"یکے از مولفینش مولانا محمد اشرف لکھنوی است در ۱۲۳۳ھ وفات یافت"

بہرحال اس کتاب کے (ص ۲۵۵) مین ہے :۔

"جزیہ بالکسر حاصل زمین و چیزے کہ گرفتہ شود از کفار اہل ذمہ"

س ۔ امیر الملک والا جاہ نواب سید صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) نے تفسیر فتح البیان (ج ۴ جلد ۴، مصر ۱۳۰۱ھ) مین لکھا ہے،

وھو الخراج المضروب علیٰ	اور وہ (جزیہ) خراج ہے جو گردنون
رقابھو کل عامٍ	پر سالانہ مقرر کیا جاتا ہے،

غرض ۳۱۰ھ سے ۱۳۰۷ھ تک جتنے مشہور عالم گذرے ہین، بالاتفاق سب نے جزیہ کے معنیٰ خراج کے لئے ہین،

جزیہ کی اصطلاح | جزیہ کے لغوی معنی جو اوپر بیان کئے گئے، انہی سے اس کے اصطلاحی معنی متفرع ہوتے ہین، لغت مین جزیہ کے معنی خراج کے ہین، اب اگر وہ خراج رعایا کے ہر فرد سے بحساب فی کس سالانہ وصول کیا جائے، تو اس کو جزیہ کہا جائے گا، اور یہ عام معنی ہونگے لیکن اگر وہ خراج سلطنت اسلام مین صرف غیر مسلم رعایا سے وصول کیا جائے، تو یہ شرعی اور اصطلاحی جزیہ ہوگا، اس سے چند باتین معلوم ہوتی ہین،

۱۔ لغت مین جزیہ اور خراج محصول کو کہتے ہین، خواہ وہ کسی چیز کا ہو، اور کوئی شخص ادا کرے

Marfat.com

۲- مسلم اور غیر مسلم رعایا پر انفرادی حیثیت سے جو محصول عائد ہو، لغت کے لحاظ سے اس کا نام جزیہ ہو گا، اس میں کوئی تفریق نہیں ہے،

۳- صرف غیر مسلم رعایا جو فرداً فرداً محصول ادا کرے، اس کو شرع کی اصطلاح میں جزیہ کہتے ہیں، اور مسلم رعایا جو محصول ادا کرتی ہے، اس کو زکوٰۃ، صدقہ، اور دوسرے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے،

جزیہ اقوام غیر میں | جزیہ کے لغوی معنی سمجھنے کے بعد یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کا رواج دوسری قوموں اور ملکوں میں بھی تھا؟ ہندوستان، ایران، اور چین، اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں،

ہندوستان میں جزیہ | منوشاستر سے جو ہندوستان کا مدنی اور سیاسی قانون ہے، اور جدید تحقیقات کے مطابق حضرت مسیح کے دو تین سو سال پیشتر تالیف ہوا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ (تاب [illegible]) کا رواج ہندوستان میں کم از کم بائیس سو برس سے ہے، منوجی نے کتاب مذکور کے باب ۷ و ۸ میں جزیہ کے متعلق حسب ذیل دفعات درج کئے ہیں:-

دفعہ ۱۲۸- جس طریق سے کام کرنے والے کو اور راجہ کو فائدہ ہو، اس طریق کو دیکھ کر راجہ اپنے محصولات کو تجویز کرے، جو کہ ہر شخص پر برابر ہو،

دفعہ ۱۳۳- ...... وید پڑھنے والے برہمن سے محصول نہ لیوے،

دفعہ ۱۳۷- راج میں چھوٹے آدمیوں سے بھی تھوڑا ساگ، پتا، وغیرہ سالِ تمام میں بطور محصول کے لیوے،

دفعہ ۱۳۸- رسوئیں بنانے والے و ہر قسم کے کاریگر و شودر جسم کی تکلیف سے اوقات بسر کرنے والے

۱؎ تمدن ہند موسیو گستاولی بان مترجمہ مولانا سید علی بلگرامی ص ۲۱۰

Marfat.com

(پٹہ دار وغیرہ) ان سبھون سے ہر مہینہ مین ایک دن کام کرائے، ان کا یہی محصول ہی،

دفعہ ۱۳۹ - اگر بتقاضائے محبت، محصول رعیت سے نہ لیوے تو راجہ اپنی جڑ اکھاڑتا ہی،

دفعہ ۱۵۰ - آٹھ کامون کو .... بچارے، آٹھ کام یہ ہین، رعیت سی محصول

لینا، .... (باب ۸)

دفعہ ۳۹ - جیز دفونہ یافتہ کے نصف حصہ کو لینے والا راجہ ہے، کیونکہ حفاظت کرتا ہی اور سب کا مالک ہے،

دفعہ ۳۹۴ - اندھا، بہرا، لنگڑا، ستر برس کی عمر والا، دھن دانیہ سے ویدیا پاٹھیون کا اپکار کرنے والا، ان سبھون سے راجہ باوجود خالی ہونے خزانہ کے اپنے لینے کے لائق محصول کو نہ لیوے،

دفعہ ۴۰۵ - گاڑی وغیرہ محمولہ اشیاء وغیرہ سے بلحاظ چیز بار محمولہ کے سارا سار بچار کر کے محصول مقرر کرنا چاہئے، اور جس گاڑی وغیرہ مین اشیاء وغیرہ نہین ہے اور جو آدمی کچھ سامان وغیرہ نہین رکھتا انھون سے تھوڑا محصول لینا چاہئے،

ان دفعات سے اصولی طور پر پتہ چلتا ہے، کہ

(۱) پیشہ ور اور غیر پیشہ ور سب پر جزیہ تھا (۲) عورتین مستثنیٰ تھین اور نہ بچے مستثنیٰ تھے (۳) غیر مستطیع لوگون کو بھی کچھ نہ کچھ دینا پڑتا تھا (۴) معذور، تارک الدنیا، برہمن مستثنیٰ تھے (۵) مزدور، چمار، نوکر، جو محصول ادا کرنے کے قابل نہ تھے، اُن سے محصول کے عوض ہر مہینہ مین ایک دن بیگار لی جاتی تھی (۶) خراج نہ لینا، سلطنت کی بیخ کنی کے مرادف تھا (۷) محصول ہر شخص پر برابر تھا،

ایران مین جزیہ | ایران مین جزیہ کا رواج کب سے رائج تھا؟ اس کا صحیح جواب ہم نہین

Marfat.com

دیکھئے، البتہ اتنا معلوم ہے کہ نوشیروان سے پہلے بھی اس کے وصول کرنے کا دستور تھا، طبری

(ص ۹۶۰ ج ۲) میں ہے،

وکان ملوک فارس یاخذون	اور ایران کے بادشاہ نوشیروان سے پہلے
من کورهم من کورهم قبل ملوک	خراج میں بعض صوبوں سے تہائی بعض
کسریٰ انوشروان فی خراجها	سے چوتھائی بعض سے پانچواں بعض سے
الثلث ومن کور الربع، ومن کور	چھٹا حصہ شادابی اور پیداوار کے مطابق
الخمس ومن کور السدس علی قدر شیئاً معلوما	لیا کرتے تھے، اور کھوپڑیوں کے جزیہ
شربها وعمارتها، ومن جزیة الجماجم	میں بھی کچھ مقررہ رقم وصول کیجاتی تھی،

قباد بن فیروز نے اخیر زمانہ سلطنت میں خراج کی صحیح تشخیص کرانی چاہی، لیکن اس کا انتقال

ہو گیا، اور اس کام کو اس کے بیٹے نوشیروان نے انجام دیا، طبری (حوالہ سابق) میں ہے،

حتی اذا ملک ابنه کسریٰ امر باستتمامها	جب اس کا بیٹا کسریٰ بادشاہ ہوا تو
واحصاء النخل والزیتون والجماجم	اس نے اس کام کو مکمل کرایا، کھجور،
..... وامر کاتب خراجه ان یقرؤا	زیتون اور کھوپڑیاں شمار کی گئیں ...
علیهم الجمل التی استخرجت من	..... اور محکمۂ خراج کے سکریٹری کو حکم
اصناف غلات الارض و	ہوا کہ لوگوں کو وہ اعداد پڑھ کر سنائے
عدد النخل والزیتون والجماجم	جو زمین کے متعدد اقسام کے غلوں اور
	کھجور، زیتون اور کھوپڑیوں کی تعداد کے
	متعلق درج تھے،

کسریٰ نوشیروان نے اس تشخیص کی وجہ یہ بتلائی ہے،

Marfat.com

انا قد رأينا ان نضع على ما احصى
من جريان هذه المساحة
من النخل والزيتون والجماجم
وضائع، وتأمر بانجامها في
السنة في ثلثة انجم، وتجمع في
بيوت اموالنا من الاموال ما لو
أتانا من ثغر من ثغورنا او طرف
من اطرافنا فتق او شئ نكرهه
واحتجنا الى تداركه او حسمه
ببذل لنا فيه مالا كانت الاموال
عندنا معدة موجودة، و
لم نرد استئناف اجتبائها على
تلك الحال (طبری ۹۲۰ - ۹۱ جلد ۲)

مابدولت کی رائے ہے کہ مابدولت کھجور
اور زیتون کی پیمائش شدہ جریبون، پہ
کھوپڑیون پر ٹکس لگائین، اور سال
مین اُن کو تین قسطون مین ادا کرنے کا
حکم دین، تاکہ مابدولت کے خزانون مین
اس قدر دولت جمع رہے، کہ اگر کبھی کسی
سرحد یا کسی سمت سے کوئی بغاوت یا
بدامنی رونما ہو، اور مابدولت کو اس
کے تدارک یا قلع قمع کرنے مین روپیہ خرچ
کرنے کی ضرورت پڑے تو وقت پر
ہمارے پاس روپیہ موجود رہے اور
نئے سرے سے اس وقت مابدولت کو
روپیہ جمع کرنے کی ضرورت نہ پیش آئے

اور اس جزیہ کی شرح یہ تھی،

والزموا الناس الجزية ما خلا
اهل البيوتات والعظماء و
المقاتلة والهرابذة والكتاب
ومن كان في خدمة الملك،
وصيروها على طبقات اثنى

اور لوگون پر انھون نے جزیہ لگایا سوائے
اونچے گھرانون، معززین، فوج، پیشوایان
مذہبی، محرر اور ملازمین شاہی کے، اور
اور اس (جزیہ) کی چند شرحین رکھین،
یعنی بارہ درہم، اور آٹھ، اور چھ اور چار،

Marfat.com

عشر درهما وثمانية وستة و
اربعة كقدر اكثار الرجل و
اقلاله، ولم يلزموا الجزية
من كان اتى له من السن
دون العشرين او فوق الخمسين
(طبری ص ۹۶۲ ج ۲)

آدمی کی ثروت اور فقر کے لحاظ سے، اور
جس شخص کا سن بیس سے کم یا پچاس سے
اوپر تھا، اس پر جزیہ نہیں لگایا،

ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱۔ ایران میں انسانوں پر محصول عائد تھا،
۲۔ ان محاصل کا مقصد بغاوتوں کے رفع کرنے اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی تیاری تھی،
۳۔ بیس برس سے کم اور پچاس سال سے زیادہ کے آدمی محصول سے مستثنیٰ تھے،
۴۔ عورتیں مستثنیٰ نہ تھیں،
۵۔ جزیہ حسب حیثیت تھا،
۶۔ اونچے گھرانے، معززین، فوج، مذہبی پیشوا، منشی، اور سلطنت کے ملازم جزیہ ادا نہیں کرتے تھے

چین میں جزیہ

چین میں جزیہ ایک عرصہ سے تھا، مسلمانوں میں پہلا مصنف جس نے اس کا تذکرہ کیا، سلیمان تاجر ہے، جس نے اپنا سفرنامہ ۲۳۷ھ کے حدود میں لکھا ہے، وہ لکھتا ہے،

ولكن عليهم جزية على الجماجم
الذكور بحسبما يرون من الاحوال
وان كان بها احد من العرب
او غيرهم اخذ منه جزية ماله

اور لیکن ان پر حالات کے مطابق جزیہ ہے
جو نر سروں (مردوں) سے لیا جاتا ہے
اور اگر وہاں عرب یا دوسرے ملک کا
کوئی شخص ہوتا ہے، تو اس سے اس کے

Marfat.com

لیحفظ ماله،	مال کا جزیہ لیا جاتا ہے تاکہ اوس کے مال
(سفرنامہ ص ۲۰)	کی حفاظت کیجائے۔

دوسری جگہ لکھتا ہے،

ولیس علیہم خراج فی ضیاعہم	اوران پر جائداد کا خراج نہیں ہے بلکہ
وانما یوخذ من الرؤوس علی	سرون (مردون) سے مال اور جائداد کا
قدر اموالہم وضیاعہم (ص ۲۰)	تخمینہ کرنے کے بعد (جزیہ) لے لیا جاتا ہے

آگے چل کر کہتا ہے،

فاذا بلغ ثمانی عشرۃ سنۃ اخذت	جب وہ (مرد) اٹھارہ برس کا ہوتا ہے
منہ الجزیۃ فاذا بلغ ثمانین سنۃ	تو اس سے جزیہ لیا جاتا ہے، اور جب اسی
لم توخذ منہ جزیۃ (ص ۲۰)	برس کو پہونچتا ہے، تو جزیہ نہیں لیا جاتا

اس سے چند باتین معلوم ہوتی ہین،

(۱) چین مین دو قومین آباد تھین چینی اور مسلمان (۲) چینیون سے حسب حیثیت جزیہ لیا جاتا تھا (۳) جزیہ مین مردون کی تخصیص تھی (۴) عورتین مستثنیٰ تھین (۵) اٹھارہ اور اسی سال کے درمیان عمر والون سے جزیہ لیتے تھے، اٹھارہ سے کم اور اسی سے زیادہ عمر کے لوگ مستثنیٰ تھے (۶) عرب اور دوسری قومین جو تجارت کے سلسلہ سے وہان قیام پذیر تھین، ان سے جزیہ نہین لیا جاتا تھا، یہ لوگ عشر مال کا محصول ادا کرتے تھے (۷) غیر قومون سے جزیہ کی وصولی حفاظت مال کی غرض سے تھی،

اسلام مین جزیہ ہندوستان ایران اور چین کی طرح سلطنت اسلامیہ مین بھی رعایا پر جزیہ تشخیص کیا گیا جس کو لین پول، اور سرمیور کی طرح ہم بلا تامل "جزیہ رقاب" نہین کہہ سکتے، اسلامی سلطنت مین چین کی طرح دو قسم کی رعایا تھی، مسلم اور غیر مسلم، اور چونکہ دونون مین سلطنت کی امداد اور ملک کی حفاظت

Marfat.com

کے متعلق قدرتی طور پر نقطۂ نظر کا اختلاف پایا جاتا تھا، اس لئے ضرور تھا کہ دونون کے لئے جزیہ کی شرح مختلف ہو اور اس کا علیحدہ علیحدہ نام رکھدیا جائے تاکہ سننے والون کو سمجھنے مین آسانی ہو، اسی بنا پر مسلمانون کے محصول کا نام زکوٰۃ اور غیر مسلمون کے خراج کا نام جزیہ رکھا گیا، معنی کے لحاظ سے زکوٰۃ یا جزیہ مین شہرت یا ذلت کا کوئی پہلو نہین ہے،

زکوٰۃ اور جزیہ کا فرق | چونکہ مسلم اور غیر مسلم رعایا کی ذمہ داریان کسی حد تک مختلف تھین، اس لئے ان کے محصولون (زکوٰۃ اور جزیہ) کے تشخیص مین بھی اس کا لحاظ رکھا گیا،

مسلمانون کی سلطنت قومی تھی اور ضرورت کے وقت ان کو مال تو مال خود جان سے بھی دست بردار ہونا پڑتا تھا، اس لئے ان کے محصول مین "ایثار" کے جذبہ کو بہت زیادہ سامنے رکھا گیا، چنانچہ ان پر (۱) زکوٰۃ مقرر کی گئی، جو مختلف انواع کی جامع تھی، مثلاً

(ا) اونٹون پر زکوٰۃ (ب) کھجور پر زکوٰۃ (ج) مسکوک سونے چاندی پر زکوٰۃ (د) معادن پر زکوٰۃ، (ھ) دفینہ پر زکوٰۃ (و) زیور، بے سکہ سونا اور عنبر پر زکوٰۃ (ز) یتیمون کے مال پر زکوٰۃ (ح) میراث پر زکوٰۃ (ط) قرض کی پر زکوٰۃ (ی) مال تجارت پر زکوٰۃ، (ک) بکریون پر زکوٰۃ (ل) گائے پر زکوٰۃ (م) تجارتی گھوڑون پر زکوٰۃ، (ن) پھلون پر زکوٰۃ، (س) عید الفطر کی زکوٰۃ،

ان انواع مین سے اگر چند کا بھی کوئی مسلمان محصول (زکوٰۃ) ادا کرے تو اچھی خاصی رقم ہو جاتی ہے، بخلاف اس کے غیر مسلم رعایا کی ہمدردی زیادہ سے زیادہ "عزت وطن" کے نام سے حاصل کیجا سکتی تھی، جو اگرچہ اس وقت بھی اجنبیون (عرب) کے قبضہ مین تھا تاہم دوسرے اجنبیون (مخالفین عرب) کے ہاتھ مین جانے سے اس کے امن و امان اور نظم و نسق مین خلل پڑنے کا اندیشہ ہو سکتا تھا، اس بنا پر غیر مسلم رعایا سے واجبی محصول یا جبری مواجب (Compalsary dues) کا لینا

Marfat.com

جاتا گیا، جو زکوٰۃ سے مقدار میں کم اور اس کی طرح گوناگون نہ تھا، اور یہ ایک صریح رعایت تھی،

(۲) مسلمانوں کا محصول (زکوٰۃ) ایک مذہبی فرض تھا جس کو وہ کارِ خیر سمجھ کر ثواب کے لئے ادا کرتے تھے، اس لئے اس کی مقدار زیادہ ہونے میں کچھ ہرج نہ تھا، بخلاف اس کے غیر مسلموں کا محصول (جزیہ) محض سیاسی تھا، جس پر اُن کے عقیدہ کے مطابق کوئی اُخروی ثواب مرتب نہیں ہوتا تھا، اس لئے اس کی شرح زیادہ نہیں رکھی گئی،

۳ - مسلمانوں کا محصول معاف نہیں ہوسکتا تھا، کیونکہ وہ مذہبی فرض تھا، لیکن غیر مسلموں کا محصول (جزیہ) نقدی شکل میں معاف ہوسکتا تھا، موانید کا مسئلہ جزیہ کے باب کا ضروری مسئلہ ہے، مبسوط (ص ۸۲ ج ۱۰) میں اس کے متعلق جو کچھ ہے ذرا تفصیل کے ساتھ ہے، اور امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کے اختلافات دکھائے ہیں لیکن فتاوےٰ سراجیہ میں جو ۵۶۹ھ کی تصنیف ہے یعنی مبسوط کے بعد کی ہے، اس مسئلہ کو بلا اختلاف ذکر کیا ہے اور موانید کے معنی بھی بتلائے ہیں، یعنی فی الفارسیۃ ماندہا

اس مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ذمی (غیر مسلم) پر برسوں سے جزیہ باقی چلا آتا ہو، تو اس کا مطالبہ نہ کیا جائے گا، بلکہ جس سال حاکم مطالبہ کرے گا، اسی سال کا جزیہ ادا کرنا ہوگا، اور اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ فقہا جزیہ کو قرض نہیں سمجھتے، بلکہ عطیہ اور صلہ سمجھتے ہیں، مبسوط میں ہے،

لان الجزیۃ صلۃ مالیۃ ولیست	اس لئے کہ جزیہ ایک مالی صلہ ہے واجب
بدین واجب (ص ۸۰ ج ۱۰)	قرض نہیں،

(۴) مسلمانوں کی زکوٰۃ میں تخفیف نہیں ہوسکتی لیکن جزیہ میں کمی کی جاسکتی ہے، چنانچہ نجران کے وہ عیسائی جو عراق چلے گئے تھے، انھوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں تخفیف جزیہ کی درخواست کی تو امیر المؤمنین نے ولید بن عقبہ حاکم عراق کے نام ایک فرمان بھیجا، جس میں یہ فقرے

ملہ کشف الظنون ج ۲ ص ۲۰۷، ملہ فتاوی سراجیہ قلمی باب الجزیہ،

بھی تھے [۱]

وانی قد خففت عنھم ثلاثین ‏ ‏ ‏ ‏ میں نے اُن کے جزیہ سے تیس علے

حلۃ من جزیتھم، ‏ ‏ ‏ ‏ کم کردیئے،

یحیٰی بن آدم (۲۰۳ھ) نے اپنی تصنیف کتاب الخراج میں جو ابھی حال میں چھپی ہے، لکھا ہے کہ حسن (شاید حسن بن صالح) کا قول تھا کہ جن لوگوں پر حضرت عمرؓ نے ۴۸، ۲۴، ۱۲ کے شرح سے جزیہ مقرر کیا تھا، اُن پر اُس سے زیادہ نہ مقرر ہونا چاہئے، اور ان میں سے جو ادا نہ کر سکتا ہو اُس کے جزیہ میں تخفیف کر دی جائے، کیونکہ حضرت عمرؓ یہ بھی فرماتے تھے کہ اُن کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیجائے، [۲]

۵۔ مسلمانوں میں جو صاحبِ نصاب ہو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا، لیکن غیر مسلم خدمات کے صلہ میں نقد رقم جزیہ سے مستثنیٰ ہوسکتے ہیں، چنانچہ عراق، آذربائیجان، آرمینیہ، جرجان کے فتوحات کے سلسلہ میں طبری نے حضرت عمرؓ کے فرامین اس مضمون کے متعلق نقل کئے ہیں (واقعات ۲۲ھ ۲۲ ہجری)

۶۔ اگر کوئی اسلامی ملک دشمن کے نرغہ میں ہو تو مسلم رعایا کا محصول (زکوٰۃ) واپس نہیں کیا جاتا، لیکن غیر مسلم رعایا کا جزیہ واپس کر دیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے شام کے تمام عمال سے نہ صرف جزیہ بلکہ خراج تک واپس کرادیا تھا، [۳]

۷۔ زکوٰۃ مسلمان عورتوں اور بوڑھوں بلکہ یتیم بچوں سے بھی وصول کیجاتی تھی، لیکن جزیہ غیر مسلم بچوں، عورتوں اور بوڑھوں سے نہیں لیا جاتا تھا،

---

[۱] کتاب الخراج امام ابویوسف ص ۲۲ [۲] کتاب الخراج یحیٰی بن آدم قرشی ص ۲۳،

[۳] کتاب الخراج امام ابویوسف ص ۸۱،

Marfat.com

۸- زکوٰۃ مسلمانوں کے مختلف ذرائع آمدنی سے وصول کی جاتی تھی لیکن جزیہ کی یہ حالت نہ تھی،

۹- روپیہ کی تعداد زیادہ ہونے سے زکوٰۃ کی رقم بڑھتی جاتی ہے لیکن جزیہ بڑے سے بڑے مالدار شخص کے لئے [illegible] تم جزیہ کی زیادتی کی شکایت اور غیر مسلم رعایا کی اقتصادی حالت کے متعلق غلط فہمی ہو تو ہر کاروبار کو حساب لگا کر دیکھنا چاہئے تھا کہ ایک مسلمان اور ایک غیر مسلم پر محصول کا بار کس تناسب سے پڑتا تھا ؟

۱۰- زکوٰۃ کا نصاب متعین ہے لیکن جزیہ کی کوئی شرح متعین نہیں، اسی لئے اس میں فقہاء مختلف الرائے ہیں، جزیہ کا تقرر دو طرح پر ہوتا ہے، صلح سے کوئی رقم طے ہو جائے، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے اور نجران کے عیسائیوں سے جزیہ طے فرمایا تھا، ایسے جزیہ کی رقم پر اضافہ نہیں ہو سکتا،

غلبہ کے بعد بادشاہ جزیہ مقرر کرے، اس میں بادشاہ کو کمی بیشی کا اختیار ہوتا ہے، احکام القرآن مصنفہ امام ابو بکر احمد بن علی رازی، الجصاص (م ۳۷۰ھ)، اور درر الحقائق شرح کنز مصنفہ قاضی بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ) وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے جزیہ کی رقم متعین کرنے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے، حنفیہ اور حسن بن صالح ۱۲، ۲۴، ۴۸ درہم سالانہ یا ایک دو اور چار درہم ماہوار مقرر کرتے ہیں، جو حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے ثابت ہیں، امام مالکؒ کے نزدیک ہر بالغ پر چار دینار یا ۴۰ درہم ہیں، امام شافعیؒ ایک دینار فی کس تجویز فرماتے ہیں، اور امام احمدؒ تشخیص کا کام بادشاہ پر چھوڑتے ہیں[1]،

ان روایتوں اور خصوصیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی ذی عقل جزیہ کو غیر ضروری ٹیکس خیال نہیں کر سکتا،

جزیہ کی حیثیت | جیسا کہ اوپر کے عنوان سے معلوم ہوا ہوگا، جزیہ کی حیثیت محض سیاسی تھی، یعنی اس کو

---

[1] احکام القرآن ج ۳ ص ۹۷ و درر الحکام ج ۱ ص ۳۲۰،

Marfat.com

مذہب سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ تھا، اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کے تعین کا باعث کیا تھا؟ کس مقصد کو سامنے رکھکر اس کی تشخیص ہوئی؟ اور اس کو کس چیز کا معاوضہ یا بدل قرار دیا گیا؟ اس میں علمار کے متعدد اقوال ہیں،

جزیہ جان کا محصول ہے

مبسوط وغیرہ میں بعض علمار کے جو اقوال نقل کئے گئے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ جان کا معاوضہ ہے کیونکہ غیر مسلم جزیہ قبول کر کے قتل سے محفوظ رہتے ہیں، یہ وہی خیال ہے جس کی بنیاد پر لین پول نے مڈیول انڈیا میں اور جدوناتھ سرکار نے تاریخ عالمگیر میں جزیہ کو (ص ۵۰۔ ۱۱۲) کہا ہے لیکن درحقیقت اس خیال کی کوئی اصل نہیں، شمس الائمہ سرخسی نے اس کو نقل کر کے خود تردید فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں،

ثبت الحقن ليس بالمال، بل	قتل سے محفوظ رہنا مال کی وجہ سے
باحد اه علة الاباحة وهو	ثابت نہیں ہوا، بلکہ (خون) مباح
القتال،	ہونے کی علت یعنی لڑائی کے نہ ہونے
(مبسوط ص ج ۱۰)	کی وجہ سے (ثابت) ہوا ہے،

دوسری جگہ فرماتے ہیں،

ولا هو بدل عن حقن	اور نہ وہ (محصول) حفاظتِ خون کا
الدم لان الآدمي في	بدلہ ہے کیونکہ آدمی درحقیقت خون
الاصل محقون الدم و	(جان) کے لحاظ سے محفوظ پیدا کیا گیا
الاباحة بعارض القتال	ہے۔ یعنی اوس کو مارنے کا کسی کو حق
فاذا زال ذالك بعقد	نہیں) اور (خون کا) مباح ہونا لڑائی
الذمة عاد الحقن	پیش آنے کے سبب سے ہوتا ہے پس

Marfat.com

آگے اصل: جب یہ مانع (رکاوٹ) ذمہ کے معاہدہ کے سبب دور ہو جائے، تو حقیقی اصل (ذمی کے محفوظ رہنے کا اصلی حق) واپس آجائیگا (صفحہ ۱۵ ج ۱)

جزیہ جان و مال کا محصول ہے یہ خیال بہت قدیم ہے کہ جزیہ جان و مال کا محصول ہے، اس کا منشا یہ ہے کہ ذمی اپنی جان و مال سے حفاظت کی [illegible] کے بجائے اس کو ایک خاص محصول بنا کر ادا کرتی ہے، اور [illegible] کے متعلق ہوتا ہے [illegible] (باب ۸، دفعہ ۳۳) سے ہندوستانیوں کا [illegible] کے قول [illegible] ص ۱۱۰ - ۱۹۹ ج ۲) سے ایرانیوں کا جزیہ کے متعلق یہی خیال معلوم ہوتا ہے [illegible] حضرت ابو عبیدہ وغیرہ نے اپنے [illegible] میں [illegible] (م [illegible]) [illegible] ظاہر کیا ہے کہ غیر مسلموں [illegible] جان و مال کی حفاظت کا محصول ہے۔

[illegible] یہ خیال کرتے ہیں اور [illegible] اسلام [illegible] کہ [illegible] ایک جزیہ [illegible] مذہبی آزادی کا [illegible] تھا، اس لئے [illegible] سے آزادی کا [illegible] قرار دیا، لیکن اُن کو معلوم نہیں کہ جس [illegible] کی طرف وہ اس نظریہ کو منسوب کر رہے ہیں اس سے بہت پہلے [illegible] صحابہ کرام اور [illegible] سے کہ اہل [illegible] فقہا کا یہی نظریہ معلوم ہوتا ہے، مذہبی آزادی کا [illegible] اگر فقہاء کا جزیہ کے متعلق خیال نہیں ہے، اور نہ اس کو کوئی خاص [illegible] قرار دیا ہے۔

جزیہ [illegible] کا محصول ہے امام ابو بکر جصاص (م ۳۷۰ھ) نے احکام القرآن میں قاضی ابو بکر محمد بن عبداللہ

---

[1] [illegible] الکبیر حاشیہ ص ۴۴ ج ۱

معافری اندلسی (م ۵۴۳ھ) نے جو "ابن العربی" کے نام سے مشہور ہیں، احکام القرآن مین، مرغینانی (م ۵۹۳ھ) نے ہدایہ مین، حافظ الدین ابو البرکات عبداللہ بن احمد نسفی (م ۷۱۰ھ) نے مدارک التنزیل مین یہی نقل کیا ہے کہ جزیہ کفر کا محصول تھا، یا بالفاظ دیگر مذہبی آزادی کا معاوضہ تھا، لیکن اس کا ثبوت قرآن مجید یا حدیث سے نہین مل سکتا،

جزیہ مکان کا محصول ہو | شمس الائمہ سرخسی (م ۴۸۳ھ) نے مبسوط مین، اور محمد بن احمد شربینی خطیب (موجود ۹۲۰ھ) نے تفسیر سراج المنیر مین یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جزیہ سکونت کا معاوضہ ہو، اس طرح اس کی حیثیت کرایہ مکان یا محصول مکان (House - Tax) کی ہے، مبسوط مین اس کو بعض کا قول کہکر اس طرح تشریح کی گئی ہے،

قد قیل انہ بدل من السکنیٰ	بعض نے کہا ہے کہ وہ (جزیہ) سکونت
لانہ مع الاصرار علی الکفر	کا بدلہ ہے، کیونکہ وہ (ذمی) کفر پر قائم رہ
لا یکون من اہل دار الاسلام	کر دار الاسلام کے (اصلی) باشندون مین
اصلاً ولا یمکن من السکنیٰ	کبھی شامل نہین ہو سکتا، اور دوسرے
فی دار الغیر الا بکراء،	کے گھر مین سکونت کرایہ کے بغیر ممکن
(صفحہ ۸۰، ج ۱۰)	نہین،

پھر آگے چل کر اس خیال کی تردید کرتے ہین،

لانہ بعقد الذمۃ صار من اہل	کیونکہ وہ ذمہ کا معاہدہ کرکے ہمارے گھر
دارنا، فانما یسکن دار نفسہ	والون مین سے ہوگیا، تو وہ اپنے گھر مین
ولا یسکن ملک نفسہ حقیقۃ	رہتا ہے، البتہ اپنی ملکیت مین دراصل
وقولنا دار الاسلام نسبتہ	نہین رہتا، (کیونکہ اب اصلی ملکیت اسلام

Marfat.com

للولایۃ، — کی ہوگئی ہے) اور ہمارا قول دارالاسلام

(صفحہ ج ۱۰) — ولایت (تولیت) کی نسبت کے سبب ہے،

اس تردید کے الفاظ پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ امام سرخسی غیر مسلم آبادی کو اس سے بلند سمجھتے ہیں کہ اس کو سلطنتِ اسلام کا "کرایہ دار" فرض کریں،

جزیہ امن کا محصول ہے

امام ابوحیان غرناطی اثیرالدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف جیانی (م ۷۴۵ھ) نے تفسیر البحر المحیط میں لکھا ہے کہ جزیہ امن کا معاوضہ ہے،

جزیہ کسی چیز کا محصول نہیں بلکہ مالی امداد ہے

ان نظریات کے نقل کرنے کے بعد اب ہم اس مقام پر پہنچتے ہیں جہاں دراصل غیر مسلم رعایا کی صحیح منزلت اور جزیہ کی اصل حقیقت نظر آتی ہے۔ شمس الائمہ سرخسی (م ۴۸۳ھ) جنھوں نے ۳۰ جلدوں میں المبسوط لکھی ہے، جو فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں سب سے بڑی کتاب ہے، جزیہ کے متعلق یہ خیال ظاہر فرماتے ہیں کہ وہ کسی چیز کا معاوضہ یا محصول نہیں ہے، بلکہ مالی امداد ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں،

لان الجزیۃ صلۃ مالیۃ (ج ۱۰، — کیونکہ جزیہ مالی امداد ہے،

دوسری جگہ لکھتے ہیں،

فاذا ثبت انہ لیس بعوض عن شیئ عرفنا انہ صلۃ. (ص ۸۲) — جب یہ ثابت ہوگیا کہ وہ (جزیہ کا مال) کسی چیز کا عوض نہیں، تو ہم نے سمجھا کہ وہ (مال) صلہ ہے،

ان الفاظ کو پڑھو اور بار بار پڑھو کیا یہ وہی جزیہ ہے جس کو یورپ اور ہندوستان کے غیر مسلم حد درجہ ذلت آمیز اور نفرت انگیز خیال کرتے ہیں، اور جس کے باعث ان کے دلوں میں اسلامی سلطنتوں کی طرف سے بغض و عناد بھرا ہوا ہے، محکوم قوموں کے محصول کا مالی امداد نام رکھنا فاتح و مفتوح کی

135041

Marfat.com

اس مساویانہ حیثیت کو نمایاں کرتا ہو جس کی نظیر خود اعتراض کرنے والون کی قومی تاریخون مین بھی نہین مل سکتی،

جزیہ ایک خاص عطیہ ہو، | شمس الائمہ سرخسی کا نظریہ بیان کرنے کے سلسلہ مین اب یہ دکھانا ضروری ہوگیا ہے کہ مشرق کی طرح مغرب بھی غیر مسلمون کا اسی فراخ دلی سے خیر مقدم کرتا تھا اور سلطنتِ اسلامیہ کے پورے طول وعرض سے جزیہ کے متعلق ایک ہی آواز آتی تھی، ابن العربی اندلسی قاضی ابوبکر معافری (۵۴۳ھ) نے جزیہ کو ایک مخصوص عطیہ لکھا ہے، جس سے ان شریفانہ جذبات کا پتہ چلتا ہے، جو غیر مسلم رعایا کے احترام کے متعلق اسلامی قانون سازون اور قانون دانون کے دلون مین موجود تھے، اور جنھون نے فقہ (قانون) کی کتابون مین جگہ پاکر عملی حیثیت اختیار کر لی تھی، کیا وہ محصول جو "مالی امداد" ہو "عطیۂ خاص" ہو کسی شخص کی دل آزاری یا ذلت کا باعث ہو سکتا ہو، ؟ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است
گل است سعدی و در چشم دشمنان خار است

جزیہ نشان فرمانبرداری ہو | اس حد تک لکھنے کے بعد اب یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، کہ جزیہ فرمان بردار رعایا ہونے کی ایک علامت ہے، آج بھی جو رعایا محصول ادا نہین کرتی، باغی سمجھی جاتی ہے، اسی طرح اسلامی حکومت کے زمانہ مین جو لوگ جزیہ نہین دیتے تھے، حربی (جنگجو) سمجھے جاتے تھے، اور جزیہ ادا کرنے والے سلطنت کے مطیع اور فرمانبردار متصور ہوتے تھے شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہین،

لان الذمی ملتزم احکام الاسلام	کیونکہ ذمی اسلام کے ان احکام کا پابند
فیما یرجع الی المعاملات،	ہوتا ہے، جو معاملات سے متعلق ہین،

(مبسوط ج ۱۰ ص ۸۴)

(۲)

جزیہ اور قرآن | جزیہ کے متعلق یہ غلط فہمی رفع کرنے کے بعد کہ وہ ذلت کا مرادف تھا، آیت جزیہ پر بحث اور مفسرین کے اقوال سے صغار کی تشریح کی جاتی ہے، سر جدو ناتھ سرکار کی طرح بہت سے معترضین اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں، اور اس سے جزیہ کی ذلت کا مفہوم نکالتے ہیں، بلاشبہ بعض مفسرین اور فقہاء نے جزیہ کو ایسا ہی سمجھا ہے، لیکن اسلامی حکومتوں کے عمل سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی، اس لئے اس کی حیثیت ان فقہاء اور مفسرین کے ذاتی اقوال سے زیادہ نہیں ہے،

قرآنی تعلیمات پر عمل کا سب سے مکمل نمونہ عہد رسالت اور عصر خلفائے راشدین ہے، اور ان مبارک زمانوں میں صغار (ذلت) کا مطلق پتہ نہیں چلتا، چنانچہ مفسرین کی جماعت میں سے ایک بڑے عالم علامہ محمد بن احمد شربینی خطیب جنہوں نے تفسیر سراج المنیر ۹۶۸ھ میں تالیف کی تھی، اپنی اسی کتاب (ص ۲۰۲ جلد ۱) میں لکھتے ہیں،

تفسیر کا ان یجلس الآخذ ..... اور اس کی یہ تفسیر کہ یوں غیر مسلم کو ذلیل

Marfat.com

مردودٌ، بانّ هذه الهيئة باطلة ودعوى سنّيتها او وجوبها اشدّ بطلانًا، ولم ينقل انّ النبي صلّى الله عليه وسلّم ولا احدًا من الخلفاء الراشدين فعل شيئًا من ذلك وعلى تفسيرها بما ذكر يمتنع التوكيل اذا قيل بوجوبه

کیا جائے) مردود ہے کیونکہ یہ (ذلیل کرنے کی) شکل غلط اور اس کے سنت یا واجب ہونے کا دعوی کرنا اور بھی غلط ہے اور یہ منقول نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین میں سے کسی نے اس میں سے کچھ بھی کیا ہو (یعنی ذلت کا کوئی طریقہ بھی اختیار کیا ہو) اور اس تفسیر کے بموجب جب یہ ہیئت تذلیل بھی ضروری ہو تو

جزیہ کا کسی وکیل کی معرفت ادا کرنا بھی ناجائز ٹھہرے گا۔

(ابو حیان غرناطی اور ابن قیم وغیرہ کی تشریحات آگے آتی ہیں)

قرآن کے ایک شارح اور عالم اسلامی کے ایک مشہور مفسر کے اس دعوی کے بعد ہم کو حق پہنچتا ہے کہ پروفیسر جدو ناتھ سرکار کی تاریخ دانی سے ان واقعات کا استفسار کریں جو غیر مسلموں سے وصول جزیہ کے وقت اسلامی دفاتر میں بطور اہانت و تذلیل پیش آئے ہوں۔ اسرکار نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بے شبہ بعض کتابوں میں موجود ہے لیکن اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کم از کم ہندوستان میں اس پر عمل بھی ہوتا تھا۔

مغالطہ کی بحث | بہر حال قرآن مجید میں جزیہ کے متعلق جو آیت ہے وہ یہ ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ

تم لڑو ان لوگوں سے جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں، نہ آخری دن پر، اور نہ حرام سمجھتے ہیں ان چیزوں کو جو خدا اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ سچا مذہب اختیار کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی یہاں تک

Marfat.com

صَاغِرُوْنَ ۔ (توبہ) کہ وہ جزیہ دین، ہاتھ سے اور وہ پست ہون

اس آیت مین چند امور غور طلب ہین،

١۔ یہ تمام غیر مسلمون کے متعلق نہین ہے، بلکہ اس کا تعلق خاص اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے ہے۔

٢۔ تمام اہل کتاب کے متعلق بھی نہین ہے، بلکہ ایک خاص گروہ کے متعلق ہے، جو اسلام کا دشمن تھا،

٣۔ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ برأت مین جن مشرکون یا یہود و نصاریٰ سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، اُن مین یہ معائب موجود تھے، معاہدہ پورا نہ کرنا، مسلمانون کے خلاف دشمن کو مدد دینا، مسلمانون کے عہد اور قرابت کا لحاظ نہ کرنا، زبان سے محبت ظاہر کرنا، اور دل مین عداوت رکھنا، بدنیتی، لالچ، اسلام سے نومسلمون کو برگشتہ کرنا، ظلم، اسلام پر حملہ کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے جلا وطن کرنا، جنگ مین پہل کرنا، متولی مذہبی خدمتون پر فخر کرنا، خاص یہود و نصاریٰ مین یہ عیوب تھے، کفر، یہود حضرت عزیرؑ کو اور عیسائی حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، شرک حضرت مسیحؑ احبار اور رہبان کو خدائی کا درجہ دیتے تھے، اسلام کو فنا کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس سے لوگون کو برگشتہ کرتے تھے، غلط طریقون سے مال کھا جاتے تھے، کار خیر مین سونا چاندی خرچ نہین کرتے تھے۔

٤۔ ظاہر ہے کہ جو فرقہ مذہبی اور اقتصادی خرابیون کے ساتھ ساتھ سیاسی حیثیت سے مسلمانون کا مدمقابل ہو، جو اسلام کو فنا کرنے پر تیار رہو، جو نومسلمون کو ورغلاتا ہو، اس کی سزا اس سے زیادہ نرم اور مناسب کیا ہو سکتی ہے کہ اوس کو لڑ کر زیر کیا جائے، اور اپنا ماتحت بنایا جائے۔

٥۔ ایسے لوگون کا ماتحت ہونا اور محصول (جزیہ) ادا کرنا، نہ صرف ان کے نقطۂ نظر بلکہ تمام دنیا کے نقطۂ خیال سے ذلت اور پستی کا مرادف ہے، خواہ حاکم ان کو ذلیل سمجھے یا نہ سمجھے،

٦۔ چونکہ یہ لوگ علانیہ اسلام کے دشمن تھے، اس لئے ہدایۃً خدا نے فرمایا کہ مسلمانون کو ان سے برابر لڑتے رہنا چاہیے تا وقتیکہ یہ پست ہو کر محصول نہ ادا کرین،

Marfat.com

۷- آیت میں دو لفظ ہیں جن سے غلط مفہوم پیدا کیا جاتا ہے، عن ید اور صاغرون

۸- عن ید کا مطلب بعض لوگوں نے یہ لیا ہے کہ اصالۃً جزیہ کی رقم ادا کرنی چاہئے، وکالۃً داخل نہیں ہو سکتی لیکن یہ خود مختلف فیہ مسئلہ ہے، فقہ کی متعدد کتابوں میں اس کی تصریح آئی ہے کہ اصالۃً حاضر ہونا ضروری نہیں، گو بہتر ہے[1]، اور آج بھی عدالتوں، بنکوں، اور ڈاکخانوں میں روپیہ کے کاروبار کے وقت اصالۃً موجود رہنا بہتر سمجھا جاتا ہے، خود اورنگ زیب کے زمانہ میں بھی اصالۃً حاضری ضروری نہ تھی، چنانچہ ۱۰۹۲ھ مطابق ۲۴ سنہ جلوسی میں چتوڑ کے راناؤں نے جب اس شرط پر صلح کی کہ

"قبول جزیہ بعد انمودن درسہ پرگنہ عوض زر جزیہ از ملک خود"[2]

تو اس شرط کو قبول کیا گیا، حالانکہ اگر اصالۃً زر جزیہ لے کر حاضر ہونا ضروری ہوتا، تو نہ پرگنے اس کا عوض ہو سکتے تھے، اور نہ اپنی ریاست کے پایۂ تخت میں موجود رہنا ممکن ہو سکتا تھا،

۹- عن ید کے اور بھی معنی ہیں، امام ابن العربی (۵۴۳ھ) نے احکام القرآن میں متعدد قول نقل کئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ ید کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں یا مجازی، اگر حقیقی معنی مراد ہوں تو اصالۃً زر جزیہ لے کر حاضر ہونا ضروری ہے، اور اگر مجازی معنی لئے جائیں، تو بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں، چنانچہ اس دوسری صورت میں ید کے حسب ذیل معنی بھی ہو سکتے ہیں، ۱۔ نقداً ہاتھ (یعنی دینے والا اپنے ہاتھ سے حاکم جزیہ کے ہاتھ میں دے، خواہ اصالۃً خواہ وکالۃً) ۲۔ نقداً ادا کرے (زر جزیہ کو باقی نہیں رکھنا چاہئے) ۳۔ بلا ستائش و طلب (ادا کرے) وغیرہ (ص ۴۰۰، ج ۱ مصر) غرض ان میں سے جو صورت بھی لے لی جائے، صغار (ذلت) کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہوتا،

۱۰- صاغرون کا لفظ البتہ صغار کو صاف صاف بتاتا ہے لیکن صغار کی کیا صورت ہو؟ اس میں فقہا مختلف الرائے ہیں، بعض نے اس کی یہ شکل تجویز کی ہے، کہ غیر مسلم جزیہ کے دفتر میں جائے، اور

---

[1] ہدایہ ص ۴۰۳، جلد ۲ [2] منتخب اللباب ج ۲ صفحہ ۲۲۳ مصنفہ خافی خان نظام الملکی،

کھڑے ہو کر اپنی رقم داخل کرے، لیکن کھڑا رہنا ذلت کی بات نہیں، آج عدالتوں، بنکوں اور ڈاکخانوں میں عموماً کاروباری آدمی کھڑے ہی رہتے ہیں، کیونکہ بیٹھنے کا انتظام نہ ہوتا ہے، اور نہ ہو سکتا ہے، مسلمانوں کی سلطنت میں اگر دفاتر جزیہ میں کھڑے ہو کر رقم داخل کرنا غیر مسلموں کے لئے ضروری تھا، تو معترضین کو اس کے بالمقابل یہ بھی دکھانا چاہئے کہ مسلمانوں کی نشست کا انتظام کو نسے دفاتر میں ہوتا تھا، بعض کا قول ہے کہ ذلت جزیہ دینے سے کہ "اور تم جزیہ دو" اس قول کو سرجدوناتھ نے اپنی تاریخ اورنگ زیب (ج ۳ ص ۲۷۹) میں بڑے آب و تاب سے نقل کیا ہے، اور دکھایا ہے کہ اسلامی فقہ کے رو سے وصول جزیہ کا بھی ذلیل طریقہ تھا، لیکن یہ کہیں نہیں دکھایا ہے کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں اسی طرح جزیہ وصول بھی کیا جاتا تھا، فقہ کی کتابوں میں لکھا ہونا اور بات ہے، اور اس پر عمل ہونا اور بات، اس موقع پر علامہ ابو حیان غرناطی (۷۴۵ھ) کی عبارت غور سے پڑھنے کے قابل ہے وہ البحر المحیط (ص ۲۹ جلد ۵) میں لکھتے ہیں کہ لوگوں نے ذلت کی جو صورتیں لکھی ہیں، ان میں کا آیۂ قرآنی میں ایک کا بھی تذکرہ نہیں، اسی طرح امام ابن قیم (۷۵۱ھ) کی یہ رائے قابل توجہ ہے،

وھٰذہ کلہ مما لا دلیل علیہ	یہ تمام باتیں بے دلیل ہیں، اور نہ آیت
ولا ھو مقتضی الآیۃ ولا نقل	اُن کو چاہتی ہے، اور نہ رسول اللہ
عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا	صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے یہ باتیں
اصحابہ (فتح البیان ص ۹۲ جلد ۴)	منقول ہیں،

علامہ شربینی کا یہ قول بھی دیکھنا چاہیئے جس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ اہانت کی یہ صورت غلط ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، نواب صدیق حسن خان بھی لکھتے ہیں کہ ان چیزوں کی کوئی دلیل نہیں ہے" (فتح البیان ص ۹۲ ج ۴)

بعض نے صاغرون کے زیادہ مناسب معنی بیان کئے ہیں یعنی جزیہ دینا خود ذلت ہے، اس بنا پر

Marfat.com

غیر مسلموں کے لئے ذلت کی تحقیر پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے) یہ امر کہ محکومی اور غیر قوم کی اطاعت ذلت ہے ریاست ہائے متحدہ امریکہ، آسٹریلیا، آئرلینڈ اور ان کے سیاسی رہنماؤں سے دریافت کرنا چاہئے ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) محی السنہ بغوی (۵۱۶ھ) اور امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) نے اپنی تفسیروں میں یہ خیال بھی نقل کیا ہے،

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ صغار یہ ہے کہ اسلامی قوانین (معاملات کے متعلق) ان پر عائد کئے جائیں یعنی وہ مذہبی مسائل کے علاوہ دنیاوی باتوں میں قانون اسلامی کی پابندی کرتے ہیں، یہ خیال جو دنیائے اسلام کے ایک مجتہد امام کا ہے، تمام خیالوں سے زیادہ صحیح ہے، اور محی السنہ بغوی نے معالم التنزیل (ص ۱۰۰ ج ۲) میں، امام ابن مکرم (۷۱۱ھ) نے لسان العرب (ص ۹۰ ج ۶) میں اور شربینی (۹۷۷ھ) نے سراج المنیر میں اس کو نقل کیا ہے، تیسرے اور چوتھے نظریوں کے مطابق صغار کا مفہوم محض ذہنی اور خیالی رہ جاتا ہے، اور اس کا تعلق مسلمان حکام سے باقی نہیں رہتا، اب ان تمام مباحث کا حاصل یہ ہوا کہ

(۱) قرآن مجید کے رو سے صغار کے مستحق تمام غیر مسلم نہیں ہیں، بلکہ وہ مخصوص اہل کتاب ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے، اور جن سے لڑائی کا حکم دیا گیا تھا،

(۲) اور غیر مسلم اس لئے جزیہ دیتے تھے کہ ان کے حصول کا یہی نام تھا، اور کوئی نیا نام رکھا نہیں گیا تھا،

(۳) صغار کا لفظ قرآن مجید میں دشمنان اسلام کے لئے تہدیداً استعمال کیا گیا ہے اور اس پر خود عہد رسالت میں بھی عمل نہیں ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زجر و توبیخ ویسی ہی تھی جیسی کہ ماں باپ اپنی اولاد کو کرتے ہیں، اس کا مقصد مسلمانوں کے دلوں میں غیر مسلموں کی طرف سے منتقمانہ جذبات کی پرورش نہ تھی،

Marfat.com

(۴) جو غیر مسلم دشمنِ اسلام نہیں ہیں، اُن کے لئے صغار بھی نہیں ہے،

(۵) صغار کا مطلب ذلیل برتاؤ نہیں، بلکہ ماتحتی اور سیاسی معاملات میں اسلامی قانون کی پابندی ہے، معزز ماتحت بھی بہرحال ماتحت ہے، یعقوب بن لیث الصفار کا قول ہے کہ کہتر چون تو باید دہ تست[51]"

اب ضرورت ہے کہ جدو ناتھ سرکار اور ہمارے معترض "آرسطو"[52] اس پر غور کریں کہ اسلامی عہدِ حکومت میں غیر مسلموں کے ساتھ کیا ذلیل برتاؤ کیا جاتا تھا !

جزیہ کی شرح

ہندوستان کے جزیہ کی (جس کا تذکرہ منوسمرتی میں ہے) کوئی شرح منوجی نے مقرر نہیں کی، بلکہ ہر شخص پر برابر محصول لگایا (باب ۷، دفعہ ۱۲۸) جو ظاہر ہے کہ بالکل خلاف انصاف تھا، نوشیروان کے فرمان میں رعایا کی مالی حالت کے اختلاف سے جزیہ بھی مختلف مقرر کیا گیا یعنی ۱۲، ۸، ۶، ۴ درہم (طبری ص ۹۶۲ جلد ۲) لیکن اس میں سلطنت کے مختلف صوبہ جات کی اقتصادی حالت کو سامنے نہیں رکھا گیا تھا، بلکہ امرا، متوسطین اور غربا، کی یکساں حالت تمام صوبوں میں فرض کر لی گئی تھی اور یکساں جزیہ لگا دیا گیا تھا، اس کے ساتھ ہی خواص و عوام کی نہایت ناگوار تفریق پیدا کر دی گئی تھی لیکن اسلام میں معاشیات کا سوال ابتدا سے سامنے تھا، اس لئے مختلف ممالک کی اقتصادی حالت کے مطابق وہاں کی رعایا پر جزیہ مقرر ہوا، اور اس کی مختلف شرحیں قرار دی گئیں، اہلِ یمن سے بحساب ایک دینار سالانہ، اہلِ شام سے ۴ دینار، مکہ[53] کے ایک نصرانی سے ایک دینار[54]، عراق کی رعایا

---

[51] زین الاخبار ص ۳، تالیف ابو سعید عبدالحی گردیزی درحدود سنہ ۴۴۴ھ [52] اس مضمون میں ان تمام اعتراضات کو پیش نظر رکھا گیا ہے، جو جزیہ پر کئے جاتے ہیں، عرصہ ہوا آریہ گزٹ لاہور میں "آرسطو" کے فرضی نام سے جزیہ کے خلاف ایک مضمون نکلا تھا، اس مضمون میں ارسطو کے اعتراضات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے [53] احکام القرآن ابن عربی ص ۷۷، ۳، جلد ۱،

[54] کتاب الخراج یحییٰ بن آدم ص ۲۷،

سے (بعض روایات کے مطابق) ۴۸ درہم سالانہ[۱۵] اور عام ممالک وصوبہ جات سے ۱۲، ۲۴، ۴۸ درہم سالانہ فی کس جزیہ وصول کیا جاتا تھا، یہ آخری شرح جیسا کہ بالتصریح معلوم ہے حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ کے زمانہ میں برابر قائم رہی[۱۶] اور امام ابوحنیفہؒ امام محمد بن حسنؒ اور (بروایت مصنف فتح البیان) امام احمد بن حنبلؒ نے اسی کو اختیار کیا[۱۷] جزیہ کا عالمگیری فرمان اگرچہ مرآت احمدی (ص ۳۱۳ ج ۱) میں بلفظہ منقول نہیں ہے لیکن سرجادو ناتھ سرکار نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ اس کی دفعہ ۲ میں یہی شرح موجود ہے اور ان کے نزدیک، ایک ناقابل برداشت بوجھ ہے، جو غریبوں کے کاندھوں پر ڈالا گیا (اس کا جواب آگے آتا ہے۔)

معاشی حیثیت سے ایک اور اصول زر جزیہ کے متعلق اختیار کیا گیا ہے، قدیم ہندوستان میں محصول نقد کی شکل میں لیتے تھے، مثلاً روپیہ، دہرن، ست مان، آٹھنگ، پن وغیرہ (منوسمرتی باب ۸ دفعات ۱۳۵ تا ۱۳۸) ایران میں بقول طبری کا درہم تھے۔ چین کا کچھ پتہ نہیں، لیکن اسلام میں ہر پیشہ والے کو یہ آزادی دی گئی ہے کہ وہ جزیہ کی نقد رقم کے بجائے اپنے اپنے پیشے کی چیز کو دے سکتا ہے؛ البتہ مردار، سور اور شراب جزیہ کی رقم میں قبول نہیں کئے جائیں گے، اس طرح جو سہولت غیر مسلم رعایا کو اسلامی سلطنت کے اندر میسر تھی، وہ دوسرے ممالک میں نہ تھی، اور نہ آج تک کسی ملک میں میسر ہے،

جزیہ کون لوگ دیتے تھے | قدیم ہندوستان میں ہر شخص سے جزیہ لیا جاتا تھا، (منوسمرتی دفعہ ۱۳۷ باب ۸) جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے، ان کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے، غیر مستطیع بھی کچھ نہ کچھ دیتے تھے (دفعہ ۴۰۵، باب ۸) جو لوگ محصول ادا کرنے کے قابل نہ تھے وہ ہر مہینہ میں ایک دن بیگار میں پکڑے جاتے تھے (دفعہ ۱۳۸ باب ۸) ایران میں اس سے کم سختی تھی، وہاں ۲۰ اور پچاس سال کے درمیان عمر والے مرد جزیہ دیتے تھے، اور عورتیں مستثنیٰ نہ تھیں، چین میں اس سے بھی زیادہ سہولت تھی، وہاں صرف مردوں

---

[۱۵] کتاب الخراج امام ابویوسف ص ۲۲ [۱۶] عینی شرح کنز ص ۲۲۰ ج ۱ [۱۷] فتح البیان ص ۹۵ جلد ۴ [۱۸] کتاب الخراج امام ابویوسف ص ۶۹)

سے جزیہ لیا جاتا تھا جن کے لئے ۱۸ سے ۵۰ سال تک عمر کی شرط تھی،

اسلام مین ان تمام ممالک سے زیادہ جزیہ مین رعایت کی گئی، صرف عاقل بالغ اور کام کرنے کے قابل مردون پر محصول لگایا گیا، اور کام کی حیثیت سے اُن کے ۳ طبقے قرار دیئے گئے،

۱- غنی جو دس ہزار درہم یا اس سے زیادہ کا مالک ہو،

۲- متوسط جو ۲۰۰ درہم سے دس ہزار تک کا مالک ہو،

۳- فقیر جو ۲۰۰ درہم سے کم کا مالک ہو، یا اس کی آمدنی ضروریات زندگی سے زائد نہ ہو،

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج (ص ۷۰) مین اس کی پوری تفصیل بیان کی ہے کہ آب بزاز، مالک جائداد، تاجر، مطب کرنے والے طبیب مین جو غنی اور متوسط ہون، وہ اپنی آمدنی کے مطابق جزیہ ادا کرتا ہاتھ سے کام کرنے والے کاریگر، مثلاً خیاط، رنگریز، موچی وغیرہ تیسرے درجہ مین ہین، وہ اس کی شرح کے مطابق محصول دین، اس موقع پر سرجدو ناتھ نے بعض فقہاء کی رائے کے مطابق صرافون وغیرہ کو پہلے درجہ مین اور خیاطون وغیرہ کو تیسرے درجہ مین رکھکر درمیانی طبقہ کو غائب کر دیا ہے، (تاریخ عالمگیر ص ۲۶۹ ج ۳) حالانکہ امام ابو یوسف کی طرح اور فقہاء نے بھی صرافون وغیرہ کے دو درجے قرار دیئے ہین، غنی اور متوسط،

ایسے اپاہج، اندھے اور لنگڑے لولے جو متمول ہون اور جن کا کاروبار اچھا چلتا ہو، اُن پر جزیہ ہے، اسی طرح دولتمند مقدس راہب اور پجاری بھی اس سے مستثنیٰ نہین ہین، (اورنگزیب کے عہد کے مالدار برہمن بھی اسی حکم مین آتے ہین،)

کون لوگ جزیہ نہین دیتے تھے قدیم ہندوستان مین صرف تین قسم کے لوگ جزیہ سے مستثنیٰ تھے، معذور، ستر برس کے بوڑھے اور برہمن، (منوسمرتی دفعہ ۳۹۴ باب ۸) ایران مین ۲۰ سال سے کم اور پچاس سال سے زیادہ عمر کے لوگ محصول ادا نہین کرتے تھے، اُن کے علاوہ خاندان شاہی معززین

Marfat.com

فوج، مذہبی پیشوا و دفاتر کے منشی، اور ملازمین سلطنت جزیہ کے مطالبہ سے آزاد تھے جین مین عورتین جزیہ نہین دیتی تھین، اور ۱۲ سال سے کم اور ۵۰ سال سے اوپر عمر والے مرد بھی مستثنیٰ قرار دئے گئے تھے،

اسلام نے عورتون، بچون، پاگلون، غلامون، محتاج اور دراز کار رفتہ بڑھون، نادار راہبون، اور بیکارون (نادار برہمن اورنگ زیب کے زمانہ مین اسی حکم مین شامل تھے،) مفلس، اندھون، اپاہجون، اور لنگڑے لولون کو محصول سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، اورنگ زیب نے عنایت اللہ خان مہتمم جزیہ کے نام ایک حکم بھیج کر غیر مسلم ملازمین سلطنت کو بھی جزیہ سے بری کیا تھا، مرآت احمدی (ص ۳۰۴ ج ۱) مین یہ الفاظ ہین،

"بندگان حضرت قدر قدرت عنایت اللہ خان را بتمشیت این کار تفویض فرمودند حکم اشرف اعلیٰ شرف صدور یافت کہ از ملازمان سرکار دولت مدار مواخذہ نکنند، و سوائے آن از جمیع ذمیان مطابق شرع شریف بگیرند"

تعجب ہے کہ ہمارے "ارسطو" صاحب کی نظر اس نکتہ اور اس عبارت پر نہین پڑی، ورنہ وہ یہ تکلیف نہ فرماتے، کہ ۱۶۷۹ء مین اورنگ زیب نے حکم دیا کہ جزیہ سب سے وصول کیا جائے خواہ اسلامی ہندوستان ہو یا راجپوتانہ کوئی سرکاری ملازم ہو یا نہ" (آریہ گزٹ)

جزیہ کے مصارف | مصارف عامہ کا بنیادی اصول بہبود عامہ ہے اور اسلام مین جزیہ کے مصارف کو مختلف مدون مین اس طرح تقسیم کیا گیا ہے، کہ عوام کو ہر مد کے مصارف سے بیشتر مین فائدہ حاصل ہوتا تھا،

۱- مصارف عامہ کی سب سے پہلی اور ضروری مد فوجی انتظام ہے، اور یہ اسی جزیہ کی رقم سے ہوتا تھا امام ابو یوسف نے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے[1]،

---

[1] کتاب الخراج ص ۱۲۴

Marfat.com

واضع علیھم فیھا الخراج وفی	اور میں ان (ذمیوں) پر زمین میں خراج
رقابھم الجزیۃ یؤدونھا	اور اُن کی گردنوں میں جزیہ مقرر کرتا ہوں
فتکون فیئًا للمسلمین المقاتلۃ	جس کو وہ ادا کریں گے اور جو مسلمان فوج
والذریۃ ولمن یاتی من	اور اس کی اولاد اور آئندہ آنے والوں
بعدھم،	کے لئے فئے (غنیمت) ہوگا۔

یہ فوج سرحدوں کے علاوہ بڑی بڑی چھاؤنیوں (مثلاً شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، مصر) میں بھی رہتی تھی جس کا اسی تقریر میں ذکر ہے، اور یہ سب فوجی وظیفہ دار تھے، خلیفہ کا فقرہ ہے وادرار الحطاء علیھم، اور مبسوط (ص ۸، ج ۱۰) میں بھی ہے،

فیوخذ منھم المال لیصرف	یعنی ذمیوں سے جو وصول ہوگا، وہ اُن
الی الغزاۃ الذین یقومون	غازیوں کو ملے گا، جو دارالاسلام کی حفاظت
بنصرۃ الدار	کرتے ہیں،

(۲) ایک مد تحصیل کے اخراجات کی تھی، اس سے عاملوں کو تنخواہ ملتی تھی، مصنف کنز الدقائق نے اور صاحب درمختار نے اس کی تصریح کی ہے،

(۳) سول یا دیوانی محکموں کی تنخواہوں اور اخراجات کی مدیں بہت سی مدیں شامل تھیں، مثلاً امور نافعہ (پبلک ورکس) میں پتھر کے پلوں (قناطر) اور لکڑی اور مٹی کے پلوں (جسور) کی تعمیر کا کام اسی مد سے ہوتا تھا، (کنز و درمختار)

محکمہ عدالت میں قاضیوں اور مفتیوں کی تنخواہیں، (کنز و درمختار) دفاتر قضا کے محرروں اور تقسیم کے گواہوں کے معاوضہ (کنز و درمختار) اسی سے ادا کئے جاتے تھے،

سرحدوں کی نگرانی کرنے والے اسی رقم سے تنخواہ پاتے تھے، (کنز و درمختار)

Marfat.com

تعلیمات میں غلام اور طلبہ کے وظائف اسی سے نکالے جاتے تھے، (در مختار و رد المحتار ص ۳ جلد ۳)

۴۔ مسلمانوں کے علاوہ خود ذمیوں کے ایسے افراد کو جو قابل امداد ہو جاتے تھے، اسی سے مدد دی جاتی تھی، حضرت خالد بن الولیدؓ نے حیرہ والوں کو جو فرمان عطا کیا، اس میں یہ الفاظ درج تھے،[1]

ایما شیخ ضعف عن العمل او		اور جو بوڑھا کام کرنے میں کمزور ہو یا اس پر
اصابته آفة من الآفات او		کوئی آفت آگئی ہو، یا مالدار ہونے کے بعد
کان غنیا فافتقر وصار اھل		محتاج ہو گیا ہو، اور اس کے مذہب والے
دینه یتصدقون علیه طرحت		اس کو خیرات دینے لگے ہوں، تو اس کا
جزیته، وعیل من بیت المال	[illegible]	جزیہ معاف کیا جائے، اور مسلمانوں کے
المسلمین وعیاله ما اقام		بیت المال سے اس کو اور اس کے بچوں
بدار الهجرة ودار الاسلام		کو امداد دی جائے جب تک وہ دار الہجرۃ اور د

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں اور مقامات کے معذور بوڑھوں کے لئے بھی یہ عام قاعدہ بنا دیا گیا تھا، انہوں نے ایک دفعہ ایک بوڑھے نابینا یہودی کو ایک دروازہ پر بھیک مانگتے دیکھا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جزیہ کی رقم اور دوسری ضروریات کے لئے بھیک مانگ رہا ہے، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس کو اور اس کے جیسے تمام بوڑھوں کا جزیہ معاف کر دیا جائے،[2]

اسلامی اور غیر اسلامی جزیوں کا فرق

(۱) اسلامی اور غیر اسلامی محصولوں میں نمایاں فرق یہ ہے کہ اسلام نے ربانی ذمہ داری کی بنا پر دنیا کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لیا تھا، اس لئے وہاں محصول کا اصل مقصد دولت نہ تھا، شمس الائمہ سرخسی (م ۴۸۳ھ) نے مبسوط (ص ۷۰، ۸۰، ج ۱۰) میں جا بجا اس کا تذکرہ کیا ہے، اور ذمیوں کی ابقائے رقم (مواشیہ) کے معاف کر دینے کی وجہ بھی یہ بتلائی ہے کہ جزیہ کے ذریعہ مال جمع کرنا -

---

[1] کتاب الخراج ص ۵۰، [2] ایضاً صفحہ ۷۲

مقصود نہیں ہے، بخلاف اس کے دوسرے ممالک اور اقوام میں محصول کے متعلق ہر زمانہ میں تجربوں کی شہنشاہیت کی گرج سنائی دی ہے جس نے غربا کی جیبیں خالی کرا کر امراء کے عیش و عشرت کا سامان مہیا کیا ہے، اور اسی طرح اس بے زبان طبقہ کی سادہ مزاجی اور بھولے پن سے فائدہ اٹھاتی رہی ہے۔ منوسمرتی باب ۸ دفعہ ۱۳۹ و ۴۰۱ اور باب ۸ دفعہ ۵ بہ خاص طور سے اس سلسلہ میں قابلِ ملاحظہ ہیں۔

(۲) دوسرا عظیم الشان فرق اس سیاسی تخیل کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جو مسلمان اور غیر مسلموں کے "نظامِ سلطنت" کے متعلق تھا، مسلمانوں نے نظریۂ "تولیت" (Trusteeship) کا صحیح مفہوم سمجھ کر اپنے کو اس کا پورا عامل بنایا تھا، وہ اپنے کو ملک کا مالک نہیں بلکہ متولی سمجھتے تھے[1] اس لئے انھوں نے محصول رعایا کی مالی حالت کے مطابق لگایا جس سے اس کی خوشحالی میں فرق نہ آئے اور ملک کی سرسبزی قائم رہے، بخلاف اس کے دوسری قوموں نے اپنے کو ملک کا متولی نہیں بلکہ مالک سمجھا تھا اس لئے انھوں نے رعایا کی مالی حالت کے بجائے دوسرے اصول پر محصول متعین کئے، چنانچہ قدیم ہندوستان کے قانون منوسمرتی (باب ۸ دفعہ ۳۹) میں راجہ کو بالتصریح مالک کہا گیا ہے اور اسی بنا پر یہاں محصول بعوض خدمات کی ایک شق "مساوات" کا اصول بھی تجویز کیا گیا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ محصول سرکاری خدمات کا معاوضہ ہے لیکن چونکہ سرکاری خدمات کا تخمینہ انفرادی طور پر ناممکن ہے، اور ان خدمات سے تمام ملک مستفید ہوتا ہے اس لئے محصول بلا امتیاز بمقدار مساوی قائم ہونا چاہئے، منوسمرتی (باب ۸ دفعہ ۴۰۰) کا حکم اس بارہ میں نہایت صریح اور صاف ہے لیکن اس اصول میں معاشی حیثیت سے چند نقائص ہیں، یہ مانا کہ خدماتِ منفردہ کا تخمینہ ممکن نہ سہی تاہم اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ سب

---

[1] صحیح بخاری (کتاب الاعتصام باب ما یکرہ من التعمق) میں حضرت ابوبکرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے انا ولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت عمرؓ کا یہ قول لکھا ہے، انا ولی رسول اللہ صلعم وابی بکر، اور مبسوط (ص ۱۰۱ ج ۱۰) میں ہے، وقولنا دار الاسلام نسبۃ للولایۃ۔

Marfat.com

لوگ سرکاری خدمات سے یکسان مستفید نہین ہو سکتے، اور بالعموم دولتمندون کو غربا کے مقابلہ مین بہت زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے، پھر جب غربا کو اپنا اور اپنی اولاد کا پیٹ پالنا بھی دشوار ہو رہا ہو، اور بسر اوقات کے لئے دوسرون کی فیاضی کے دست نگر ہون تو اُن سے ٹکس طلب کرنا کہان تک قرینِ انصاف اور وصول کرنا کہان تک ممکن ہے؟ اس لئے مساوی ٹکس کا یقینی نتیجہ خود ملک کی تباہی و بربادی ہے[1]

ایران مین مساوات کے بجائے سرکاری خدمات کی انفرادی حیثیت پر نظر رکھی گئی، جس طرح مزدور کو محنت کی اُجرت دیجاتی ہے ٹکس بھی سرکار کی خدمت کا معاوضہ ہے، اس لئے جو سرکار سے جتنی خدمت لے اسی کے مطابق معاوضہ بشکل ٹکس ادا کرے، اسی بنا پر ایران مین ۱۲-۸-۶-۴ درہم کی شرح سے مختلف حیثیتون کے لوگون پر جزیہ مقرر ہوا، اور وہ لوگ جو سرکار کے مفہوم کی "وسعت" مین آتے تھے مثلاً اونچے گھرانے، معززین، فوج، مذہبی پیشوا، منشی، اور سلطنت کے ملازم جزیہ سے مستثنیٰ کر دیے گئے، لیکن عورتین جو سرکار کے مفہوم مین شامل نہ تھین، قدیم ہندوستان کی طرح ایران مین بھی جزیہ ادا کرتی تھین، معاشی حیثیت سے اس اصول مین بھی متعدد نمایان عیب ہین، سب سے ناگوار چیز تو وہ تفریق ہے، جو اونچے گھرانون اور عوام مین رکھی گئی ہے، حالانکہ محصول کو "فرقہ داری" سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہئے (اسلام مین زکوٰۃ خود خلیفہ کو بھی ادا کرنی پڑتی ہے) دوسرے سرکاری خدمات اس قدر بے شمار اور اُن کے نتائج اس قدر گوناگون ہین، کہ ان مین کسی شخص کے حصہ کا تخمینہ کرنا بالکل محال ہے، بیرونی فوج، آئین حکام کی تنخواہون، شہر کی صفائی، سڑکون کی درستی، واٹر ورکس، غرض لوکل یا میونسپل محصولون سے ہر شخص کو جو فائدہ پہونچتا ہے، اس کا جداگانہ تخمینہ کیونکر ممکن ہے؟ اور پھر جو ٹکس ان مصارف کے طلب کیا جائے وہ سرکاری خدمات منفردہ کے مساوی کیونکر مقرر ہو سکتا ہے؟

---

[1] اصولِ معاشیات برنی ص ۲۹۰، ۲۹۹

Marfat.com

کیا شرح جزیہ مین ایران کی تقلید کی گئی ہے

یہ ایک نہایت اہم سوال ہے، علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے الفاروق (ص ۱۰ ج ۲) نیز اپنے مضامین الجزیہ اور غیر قومون کی مشابہت (مقالات شبلی ج ۱ ص ۲۳۰، ۱۶۲) مین صاف صاف لکھا ہے، کہ حضرت عمرؓ نے نوشیروانی قواعد جاری کئے تھے، اس سلسلہ مین انھون نے ابوحنیفہ دینوری اور شاہ ولی اللہ صاحب کا نام بھی لیا ہے، اور اصلی ماخذ طبری کو قرار دیا ہے، جس نے یہ الفاظ لکھے ہین،

وهي الوضائع التي اقتدى بها	اور یہ وہی شرحین ہین جن کی عمرؓ بن
عمر بن الخطاب حين افتتح بلاد	الخطاب نے پیروی کی جب انھون نے
الفرس وامر باجتباء اهل الذمة	فارس کے شہر فتح کئے، اور انھون نے اہل
عليها	ذمہ سے انہی (شرحون) کے مطابق وصول
(طبری ص ۹۹۲ ج ۲)	کرنے کا حکم دیا،

شاہ ولی اللہ صاحب طبری سے متاخر ہین، اس لئے اُن کی رائے عین طبری کی رائے ہو سکتی ہے تاہم وہ بھی حضرت عمرؓ کا نام لینے مین تامل کرتے ہین، ابوحنیفہ دینوری (م ۲۸۲ھ) البتہ طبری سے مقدم ہین لیکن انھون نے اس کا ذکر ہی نہین کیا ہے، اب رہے، امام طبری (م ۳۱۰ھ) تو ان کے متعلق حسب ذیل امور قابل لحاظ ہین،

(۱) امام ابو یوسف (م ۱۸۲ھ) نے جہان جزیہ کی شرح بیان کی ہے، حضرت عمرؓ کی تقلید کا ذکر نہین کیا ہے،

(۲) امام موصوف نے کتاب الخراج (ص ۴۹) مین یہ بھی لکھا ہے کہ عراق فتح ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے وہان کے بعض زمیندارون کو بلایا، اور پوچھا کہ زمین کا محصول تم عجمیون کو کیا ادا کرتے تھے،؟ انھون نے کہا، ۲۷، فرمایا مین اس پر راضی نہ ہون گا،

Marfat.com

۳- امام یحییٰ بن آدم (سنہ ۲۰۳ھ) بھی تقلید کے ذکر سے ساکت ہیں،

۴- امام طبری (سنہ ۳۱۰ھ) نے آگے چل کر جو عبارت لکھی ہے وہ تمام کتب فقہ اور تاریخ کے خلاف ہے، وہ لکھتے ہیں،

ولم یخالف عمرؓ بالعراق خاصة	اور عمرؓ نے خاص کر عراق میں کسریٰ کی اُن
وضائع کسریٰ علی جربان الارض	شرحوں کی مخالفت نہیں کی جو اُس نے زمین
وعلی النخل و الزیتون والجماجم	کی جریبوں اور کھجور اور زیتون اور سروں
(ص ۹۶۳)	پر مقرر کی تھیں،

(الف) اس عبارت کی رو سے نیسوں کے طبقات چار ہونے چاہئیں کیونکہ چار شرحیں طبری نے مقرر کی تھیں (طبری جلد ۲ ص ۹۶۳)

(ب) شرح ۱۲ - ۸ - ۶ - ۴ درہم ہونی چاہئے،

حالانکہ اسلام نے ۳ طبقے قرار دیئے ہیں، اسی طرح ۴۸، ۲۴، ۱۲ درہم شرح رکھی ہے، اور اس کے حوالے اوپر آ چکے ہیں،

(۵) طبری نے اقساط کا جو طریقہ لکھا ہے مسلمانوں کا طرزِ عمل اُس کے خلاف شہادت دیتا ہے کیونکہ وہ عموماً سالانہ جزیہ وصول کرتے تھے،

(۶) طبری کی روایت کے مطابق کسریٰ نے خاندانِ شاہی، معززین، فوج، مذہبی پیشوا اور ملازمینِ سلطنت کو جزیہ سے مستثنیٰ کیا تھا، حالانکہ حضرت عمرؓ نے ایسا نہیں کیا،

(۷) شمس الائمہ سرخسی (سنہ ۴۸۳ھ) نے مبسوط (ص ۸، ج ۱۰) میں لکھا ہے کہ جزیہ کی مقدار کا علم حضرت عمرؓ کی حدیث سے ہوا ہے، اور وہی اصل ہے، انھوں نے مردوں پر ٹیکس ۱۲ درہم، ۲۴ درہم اور ۴۸ درہم مقرر کئے، اور یہ مقدار قیاساً مقرر نہیں ہوتی، اس سے ہم نے سمجھا کہ انھوں (حضرت عمرؓ) نے رسول اللہ صلعم سے سماعت پر اعتبار کیا ہوگا، (یعنی انھوں نے خود یا کسی اور صحابی نے رسول اللہ صلعم سے

سُنا ہوگا،) تو ہم نے اُس کو لے لیا،

(۸) عموماً مفسرین اور فقہاء تقلید کے ذکر سے خاموش ہین،

اب ایک طرف یہ تمام قدمائے اسلام ہین جن کی کتابون مین نوشیروان کی پیروی کا ذکر تک نہین ہے اور دوسری طرف مولانا شبلی ہین جن کو طبری کی روایت پر اس قدر اصرار ہے کہ وہ جزیہ کے اختلاف شرح کو بھی نوشیروانی پیروی کی طرف منسوب کر دینا چاہتے ہین، حالانکہ محصول اور اس کی مختلف شرحین مقرر کرنا نوشیروان کا کوئی تمغاے امتیاز نہ تھا، یہ تو معمولی سی بات ہے، اور ہر مدبر اس کو سوچ سکتا ہے،

جزیہ اور سیاسیات | اب تک جزیہ کے متعلق جو گفتگو کی گئی، وہ قانونی (فقہی) اور کسی حد تک تاریخی پہلو لئے ہوے ہوئی تھی، لیکن اب یہ دکھایا جائے گا، کہ پالٹکس مین اس کی کیا حیثیت ہے؟

(۱) اوپر جزیہ کے متعلق فقہاء کے جو سات نظریات بیان کئے گئے ہین، اُن سب کا قدر مشترک یہ نکلتا ہے کہ وہ ایک محصول ہے اور محصول کی تعریف بسٹیبل (Bastable) نے اپنی کتاب "سرکاری مالیات" (Public Finance) مین اس طرح کی ہے[۱]،

"محصول (Tax) کسی شخص یا جماعت کی دولت کا وہ حصہ ہے جو بلا لحاظ اس کی رضامندی یا ناراضگی کے سرکاری اغراض کے لئے حاصل کیا جاتا ہے"،

پروفیسر محمد الیاس برنی ایم اے، ال ال بی نے اصول معاشیات (ص ۲۹۰) مین اس تعریف کو یون واضح کیا ہے،

"ٹکس سے مراد دولت کا وہ حصہ ہے جو لوگ غیر اختیاری طور پر سرکار کو مصارف حکومت کے واسطے ادا کرین"،

پھر اسی کتاب اور اپنی دوسری تصنیف علم المعیشت مین اس تعریف کے بعض الفاظ کو غور طلب قرار

---

[۱] معاشیات ص ۳۵۲ مصنفہ مولوی حبیب الرحمن ایم اے ایل ایل بی جامعۂ عثمانیہ،

دیا ہے، جن مین ایک لفظ دولت بھی ہے وہ اس لفظ کے متعلق لکھتے ہین ،

اصطلاح "دولت" اپنے وسیع معنون مین استعمال کی گئی ہے، گویا مال و جائداد کے علاوہ "خدمات" بھی اس مین شامل ہین چنانچہ بیگار بھی ایک ناپسندیدہ قسم کا ٹکس ہے،

لفظ "دولت" کی اس وسعت کو سمجھنے کے بعد جزیہ کے متعلق ایک بڑا مغالطہ دور ہو جاتا ہے، علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے الفاروق (ص ۲۰۷ جلد ۲) مین جہان جزیہ کی بحث لکھی ہے، اس کی حفاظت کا معاوضہ قرار دے کر تاریخ سے چند تائیدی دلائل بھی تحریر فرمائے ہین، اسی سلسلہ مین لکھتے ہین :-

"اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگون سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی، اُن کو باوجود اُن کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف کر دیا"

پھر شواہد مین ۱۷ھ اور ۲۲ھ مین عراق، آذربائجان، آرمینیہ، اور جرجان کے غیر مسلمون سے جو معاہدے ہوئے تھے، اُن کو نقل کیا ہے،

لیکن "معاشیات" مین دولت کا لفظ جن عام معنی مین استعمال ہوتا ہے، اگر ان کو سامنے رکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے، کہ ذمیون کی جنگی خدمت بھی "دولت" کے وسیع مفہوم کے اندر داخل تھی، اس لئے اپنی جان کو لڑائی کے لئے پیش کرنا گویا زر جزیہ کو نقدی صورت مین ادا کرنا تھا، اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جزیہ معاف نہین کیا گیا، بلکہ دوسری شکل مین وصول یا قبول کیا گیا،

حقیقت یہ ہے کہ جو سلطنت کسی ملک پر سیاسی حیثیت سے تسلط حاصل کرتی ہے وہ قانوناً اس کی مجاز ہے کہ بروقت ضرورت رعایا سے جانی اور مالی خدمات کا مطالبہ کرے، مسلمانون کی ابتدائی سلطنت (خلافت راشدہ) جو آج کل کے اعلیٰ ترین جمہوری طرز حکومت "منتقیہ" سے بدرجہا بہتر تھی، اس نے بھی اپنی رعایا سے دونون قسم کی خدمتین لین،

۱- ابتداءً جیسا کہ ہر قوم مین ہوتا ہے، صرف مسلمان فوج مین شامل تھے، ۱۴ھ مین جب غیر مسلمون

Marfat.com

کا اس کو اعتماد حاصل ہو گیا، تو اُن کو بھی فوج مین شرکت کی اجازت مل گئی، جو حفاظتِ سلطنت کے لئے جانی امداد تھی ؟

۲ - مالی امداد مصارفِ حکومت کے لئے تھی، جس کو مسلمان بشکل زکوٰۃ اور غیر مسلم بصورتِ جزیہ دیتے تھے، اس کو فوجی خدمت سے کچھ واسطہ نہ تھا، جس طرح صاحبِ نصاب مسلمان فوجی خدمت کی وجہ سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہین ہوتے تھے، مستطیع غیر مسلمون کا جزیہ بھی معاف نہین کیا جاتا تھا؟ خلافتِ راشدہ کے بعد شخصی سلطنتون مین بھی یہ نکتہ ہمیشہ ملحوظ خاطر رہا ہے، چنانچہ سلطنتِ مغلیہ مین برابر راجپوتون کی فوج رہتی تھی، اور خود وہ شہنشاہ (اورنگ زیب) جس پر ارسطو نے اعتراضات کئے ہین، راجپوتون کو فوج مین بھرتی کرتا تھا، اور اُن سے فوجی خدمت لینے کے باوجود جزیہ بھی لیتا تھا، چنانچہ ہمارا معترض حیرت سے کہتا ہے،

"مگر چلو ہم ایک لمحہ کے لئے یہ فرض کر لیتے ہین کہ یہ فوجی خدمت کا معاوضہ تھا، جو غیر مسلمون سے لیا جاتا تھا، تو اُن ہندوؤن سے جزیہ کا وصول کرنا کسی طرح بھی جائز نہ تھا، جو فوج مین ملازم تھے، پھر اورنگ زیب کا دستا ہندا اور راجپوتانہ کے راجپوت راجاؤن سے جزیہ وصول کر لینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ ...... پھر فوج کے ساتھ امیر جزیہ مقرر کئے گئے تھے، جو جزیہ وصول کرتے تھے، ۱۲ر جولائی ۱۶۹۴ء (ربیع الاول ۱۱۰۵ھ) کا اعلان اُن فوجی امیرون کا ذکر کرتا ہے، اس کا صاف مطلب ہو کہ فوج مین ہندوؤن سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا، ورنہ فوج مین اُن کی موجودگی کی اور کیا تاویل ہو سکتی ہے، پھر دوسری طرف کوئی ایسا حکم نہین جس مین فوجی ملازم ہندوؤن کو جزیہ کی ادائگی سے مستثنیٰ کیا گیا ہو، یہ صرف معمولی فوجی ملازمون سے ہی وصول نہین ہوتا تھا، بلکہ ہندو افسر تک اس حکم سے باہر نہ تھے" (آدیہ گزٹ)

لیکن معترض کی حیرت کا اصلی سبب علامہ شبلی مرحوم کا یہ خیال ہے کہ جزیہ صرف جنگی خدمت کا معاوضہ تھا، اور گو تاریخی واقعات سے انھون نے اس کی تائید بھی کر دی ہے لیکن جزیہ کی سیاسی

Marfat.com

حیثیت پر اس کی نظر نہین گئی تھی، اسی لئے جزیہ کو فوجی خدمت کا معاوضہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہین،

"اس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے، اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح بری رہین جس طرح نوشیروان عادل نے عموماً اہلِ فوج کو اس (جزیہ) سے بری کر رکھا تھا، لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے، اور جن کی حفاظت مسلمانون کو کرنی پڑتی تھی، ان کو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا، نہ وہ لوگ ایسی پرخطر خدمت کے لئے راضی ہو سکتے تھے، اس لئے ضرور تھا کہ وہ اپنی محافظت کیلئے کوئی معاوضہ دین، اسی معاوضہ کا نام جزیہ تھا (ص ۲۳۱، ۲۳۲)

لیکن اوپر سیاسی حیثیت سے مسلمانون کے جن اصول اور عمل پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فوجی خدمت اور مالی امداد بالکل دو جداگانہ چیزین تھین، مولانا نے یہ تو لکھا ہے کہ مسلمانون کو جزیہ سے مستثنیٰ ہونا چاہئے تھا، لیکن یہ نہین بتلایا ہے کہ اُن سے زکوٰۃ کا مطالبہ ہوتا تھا، مسلمانون کا محصول جزیہ نہ تھا، بلکہ زکوٰۃ تھی، اور جب وہ فوجی خدمت کے صلہ مین زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہین کئے گئے، تو غیر مسلم فوج مین رہ کر جزیہ سے کیون کر مستثنیٰ ہو سکتے تھے؟ پھر یہ بھی صحیح نہین ہے کہ غیر مسلمون سے فوجی خدمت لینے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا، ہر سلطنت کو اپنی رعایا سے فوجی خدمت لینے کا حق حاصل ہے، اور اسلامی سلطنت کو تو بدرجۂ اولیٰ یہ حق حاصل تھا، کیونکہ اولاً تو وہ مسلم اور غیر مسلم کی ناروا تفریق پسند نہین کرتی تھی، دوسرے زمین کا مالک اُس نے عام طور پر غیر مسلمون ہی کو بنا رکھا تھا،

رہا یہ امر کہ ابتدا مین غیر مسلم فوج مین کیون شریک نہین کئے گئے؟ اس کا سبب یہ تھا کہ غیر مسلم مفتوح تھے، جو مسلمانون کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور اپنی قومی سلطنت کو دوبارہ واپس لانے کا خیال ان کے دماغون مین موجزن رہتا تھا، اس بنا پر آغازِ فتح مین سیاسی حیثیت سے ان کو فوج مین بھرتی کرنا قرین مصلحت نہ تھا، البتہ جب عہدِ نبوت سے لے کر خلافتِ فاروقی تک اُن کو مسلمانون سے

Marfat.com

سابقہ پڑا، جس میں اسلام کی عادلانہ حکومت کا سکہ اُن کے دلوں پر بیٹھ گیا، اور انھوں نے خود دشمنانِ اسلام سے نبرد آزما ہونے کی خواہش ظاہر کی، تو [illegible] میں اُن کو اجازت دے دی گئی، اور منطقی نقطۂ نظر سے اُن کی اس فوجی خدمت کو جزیہ کا قائم مقام سمجھ لیا گیا، جو اُن کے ساتھ مزید رعایت تھی،

۲۔ تعینِ محصول کے سلسلہ میں "مساواتِ محصول" (Parity of Tax) کا اصول اختیار نہیں کیا گیا، جس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ سب کو سرکار سے یکساں آرام اور فائدہ پہنچتا ہے اس لئے سب لوگ برابر محصول دیں، بلکہ جزیہ اشخاص کی مختلف قابلیتوں اور حیثیتوں کے مطابق مختلف نرخ سے مقرر ہوا، کیونکہ "اصولِ مساوات" سے غربا پر جس قدر ظلم ہو سکتا ہے، محتاجِ بیان نہیں، مزید برآں سیاسی لحاظ سے بھی یہ اصول ناقابلِ عمل ہے۔[1]"

۳۔ ورودِ محصول (Incidence of Taxation) کی بنا پر محصول کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں (۱) یہ کہ ٹیکس کا ادا کنندہ (Payer of Tax) اور مورد (Subject of Tax) ایک ہی شخص ہو، یعنی جو دوسروں پر منتقل نہ ہو سکے، (۲) یہ کہ جس کے ادا کنندے اور مورد مختلف اور متعدد لوگ ہوں، یعنی جو ادا کنندہ سے گذر کر بہت سے لوگوں پر منقسم ہو جائے، اصطلاحاً اول کو ٹیکس بلا واسطہ (Direct Tax) اور دوم کو ٹیکس بالواسطہ (Indirect Tax) کہتے ہیں،[2]

جزیہ بلا واسطہ ٹیکس (Direct Tax) ہے جس سے عام "سیاسی بیداری" پیدا ہوتی ہے، کیونکہ ٹیکس بلا واسطہ لگان، سود، اجرت، یا ملک و جائداد میں سے براہِ راست وصول کیا اپنا حصہ نکالتا ہے، یہ ٹیکس "سیاسی تربیت" کا نہایت کارگر آلہ ہے، انسانی خاصہ ہے کہ جس کام میں کسی کا روپیہ لگتا ہے، اُس سے

[1] معاشیاتِ ہند ص ۲۶۲، مصنفہ پرمتھ ناتھ بنرجی، مترجمہ مولوی الیاس برنی [2] اصولِ معاشیات ص ۳۰۰ مصنفہ مولوی الیاس برنی،

Marfat.com

خواہ مخواہ تعلق اور دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ بعض انجمنوں میں تو علاوہ مالی امداد کے دلچسپی بڑھانے کی غرض سے بھی ممبروں سے چندہ طلب کیا جاتا ہے، جب لوگ جان بوجھ کر مصارفِ حکومت ادا کرتے ہیں، تو ان کو سیاسی معاملات سے خود بخود تعلق زیادہ محسوس ہونے لگتا ہے، اور اس کا نتیجہ عام سیاسی بیداری ہوتا ہے (اصولِ معاشیات ص ۳۰۹)

اور واقعات شاہد ہیں کہ جزیہ کے سبب سے ہمیشہ غیر مسلموں میں سیاسی بیداری قائم رہی ہے اگرچہ کبھی کبھی اس کا ظہور مظاہرہ کی نامناسب شکل میں بھی ہوا ہے، جیسا کہ سرکار نے "تاریخ اورنگ زیب" (ص ۱۰۷ ج ۳) میں اور علامہ شبلی مرحوم نے مضامینِ عالمگیر (ص ۷۲) میں دکھایا ہے،

جزیہ اور معاشیات | جزیہ کو معاشیات (Economics) سے بڑا گہرا تعلق ہے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (ص ۲۹۰ جلد ۲۶ طبع ۱۱) میں آدم اسمتھ (Adam Smith) کی کتاب "دولتِ اقوام" کے حوالے سے ٹکس کے حسب ذیل قوانین بیان کئے گئے ہیں،

(۱) قانونِ معدلت: ہر مملکت کی رعایا کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اپنی اپنی قابلیت کے تناسب سے یعنی اس آمدنی کے تناسب سے جو انھیں مملکت کے زیرِ حفاظت اپنے اپنے طور پر حاصل ہوتی ہے، حکومت کے اخراجات میں شریک ہوں،

(۲) قانونِ تیقن: جس ٹکس کا ادا کرنا ہر فرد پر لازمی ہو وہ بالکل باقاعدہ اور یقینی ہونا چاہئے، وقتِ ادائگی، طریقۂ ادائگی، مقدارِ ٹکس، یہ تمام امور نہ صرف ادا کرنے والے پر بلکہ دوسرے تمام اشخاص پر بھی واضح ہونے چاہئیں،

(۳) قانونِ سہولت: ٹکس ایسے وقت پر اور اس طریقہ سے عائد کیا جائے جو ادا کرنے والے کے حق میں زیادہ سے زیادہ سہولت کا باعث ہو،

(۴) قانونِ کفایت: ہر ٹکس اس طور پر تجویز کیا جائے کہ اس کی بدولت جس قدر رقم سرکار کا

Marfat.com

خزانہ میں داخل ہوتی ہے اس کے علاوہ حتی الوسع کم سے کم مزید رقم رعایا کی جیبوں سے خارج ہو۔۔۔۔

ان چار کے علاوہ بعض مصنفین نے دو قانون اور بھی لکھے ہیں،

(۵) قانون پیدا آوری: ٹکس بدرجۂ ادنیٰ پیدا آور (Productive) ہونا چاہئے یعنی ماحصل ٹکس کی مقدار بہت معقول ہونی چاہئے کیونکہ ٹکس قائم کرنے کا منشا مصارف حکومت کے واسطے آمدنی پیدا کرنا ہے، اور جب ایسی آمدنی کی مقدار قلیل ہو، تو ظاہر ہے کہ ٹکس ناقص ہوگا، اور اس سے حصول آمدنی کی غرض بدرجۂ ادنیٰ پوری ہوگی،

(۶) قانون تغیر پذیری: ٹکس متعدد ذرائع پر مختلف شرحوں سے اس طرح قائم کرنا چاہئے کہ حسب حالات اس کی مقدار ماحصل میں اضافہ و تخفیف ہو سکے،

یہ ۶ قانون ہوئے جن کا ٹکس قائم کرنے میں لحاظ رکھنا ضروری ہے، کیونکہ ان کی خلاف ورزی سے عام مرفہ الحالی اور معاشی ترقیوں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے،

جزیہ قائم کرتے وقت ان قوانین کو پیش نظر رکھا گیا تھا یا نہیں؟ اس کا جواب ذیل میں دیا جاتا ہے۔

پہلا قانون معدلت یا عدل ہے اس کی تعریف میں یہ الفاظ "اپنی اپنی قابلیت کے تناسب" ہمیشہ سے معاشی علماء کے اختلاف کا آماجگاہ رہے ہیں، یہ امر کہ محصول انصاف سے قائم کرنا چاہئے بالکل مسلم ہے لیکن یہ عمل کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور محصول کے تقرر میں کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں؟ اس کے متعلق علما نے چند راستے اختیار کئے ہیں، جو محصول بمعیارِ خدمات، محصول مساوی، محصول متناسب (Proportional tax) وغیرہ کی شکل میں موجود ہیں،

لیکن ان سب سے بہتر طریقہ محصول متزاید یا تدریجی (Progressive tax) کا ہے جو آج کل ہر جگہ اختیار کیا جارہا ہے، اس طریقہ کے مطابق یہ ضروری ہے کہ ٹکس لگانے میں تدریج سے کام لیا جائے یعنی

Marfat.com

(الف) ٹکس مالی حالت کے فرق کے بموجب بشرح مختلف قائم ہو، امراء پر بشرح اعلیٰ، متوسطین پر بشرح متوسط، اور غرباء پر بشرح ادنیٰ، تاکہ تمام ٹکس ادا کرنے والے مساوی بار یا ایثار محسوس کرین، تشخیص جزیہ مین امراء، متوسطین، اور غرباء کے ۳ طبقے مالی حالت کے اختلاف کی بنا پر قرار دیئے گئے ہین، اور ان پر بشرح مختلف ۱۲، ۲۴، ۴۸ درہم سالانہ یا ۱ر ۲ر اور ۴ر ماہوار محصول لگایا گیا ہے۔

(ب) شرح محصول مختلف ہونے کے باوجود ایک حد تک محدود ہو یعنی اس پر متواتر اضافہ نہ ہو سکے، تاکہ اضافہ آمدنی کسی حالت مین لوگون کے لئے ضرر رسان نہ ہو، اور اجتماعِ دولت، بلند حوصلگی، اور کفایت شعاری کے راستہ مین نامناسب مزاحمتین پیدا نہ ہو جائین، یہ بالکل بدیہی ہے کہ "طلائی انڈے دینے والی مرغی کو ذبح کر ڈالنا کوئی عقلمندی کا کام نہین"، تاہم موجودہ معاشیین محصول متزائد کے مسئلہ پر غور کرتے وقت اس چیز کو بہت کم پیش نظر رکھتے ہین، اور اس لئے آمدنی کی مقدار بڑھنے کی حالت مین وہ برابر شرح محصول مین اضافہ کرتے جاتے ہین، بخلاف اس کے اسلام نے دولت و افلاس کے لحاظ سے انسانی طبقون کے لئے جزیہ کی جو شرح مقرر کی، وہ اگرچہ بذاتِ خود مختلف ہے، تاہم ہر شرح محدود ہے یعنی بالفاظ دیگر ہر طبقہ کی آمدنی کے متعدد مدارج قرار دے کر ان کے لئے علٰحدہ علٰحدہ شرحین قائم نہین کی ہین، بلکہ تمام غرباء کے لئے ایک شرح ہے، تمام متوسطین کے لئے ایک اور تمام امراء کے لئے ایک، اس سے ہر طبقہ پر جزیہ کا یکسان الگ الگ بار پڑتا ہے اور کسی خاص طبقہ کو زیادہ استطاعت کی وجہ سے جزیہ بار گران نہین معلوم ہوتا۔

(ج) آمدنی جب تک ایک خاص مقدار تک نہ پہنچے، محصول کا مطالبہ نہ کیا جائے، چنانچہ جزیہ اس شخص سے نہین لیا جاتا، جو ۲۰۰ درہم سے کم کا مالک ہو، یا جس کی آمدنی خاندان کی پرورش کے لئے ناکافی ہو، کیونکہ ایسا شخص محصول ادا کرنے کی قابلیت ہی نہین رکھتا، چنانچہ زکوٰۃ کے لئے بھی کم سے کم دو سو درہم کا مالک ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

Marfat.com

دوسرا قانون **تیقن** ہو جس کو تعیین بھی کہتے ہیں، اُس کے رو سے جزیہ کی شرح ہمیشہ معین رہی ہے، جزیہ ادا کرنے والے کو اپنی مالی حیثیت کے مطابق واجب الادا رقم کی صحیح مقدار کا علم ہوتا ہے، جس کی بنا پر جبر یا دھوکے سے کوئی شخص سرکاری مطالبہ سے زیادہ وصول نہیں کرسکتا، جزیہ کی شرح میں تغیر و تبدل نہیں ہے، اس کی ادائگی کا وقت مقرر ہے، یعنی سالِ تمام پر وصول کیا جائے[۱]، اور اداگی کا طریقہ بھی بتلایا گیا ہو یعنی جانور، سامان، اور پیشہ کی ہر چیز رقم جزیہ کے عوض پیش کی جاسکتی ہے، صرف مردار، سور، اور شراب پیش نہ کرنا چاہئے، اور اگر یہ چیزیں آئیں تو اہلِ پیشہ کے ذریعہ سے ان کو فروخت کرا کر اُن کی قیمت دفتر میں جمع کرنی چاہئے، کیونکہ اس میں اہلِ جزیہ کو سہولت ہوتی ہے[۲]،

تیسرا قانون **سہولت** ہو، جزیہ کے ذرائع اور اس کی وصولی کے اوقات جن کا دوسرے قانون میں ذکر ہوا، درحقیقت ایسے تھے کہ جزیہ دینے والوں کا کوئی نقصان اور ہرج نہ ہوتا تھا، نہ ان کو کوئی دقت اور دشواری محسوس ہوتی تھی،

چوتھا قانون **کفایت** ہو، اس کے ۴ مفہوم ہیں، پہلے مفہوم کے رو سے جو کچھ فراہمی جزیہ میں صرف ہوتا ہے، اس کی مقدار بمقابلہ ماحصل جزیہ ادنیٰ سے ادنیٰ ہوتی ہے، یعنی اس کے فراہم کرنے کے مصارف اصلی مطالبات سے کم اور بہت کم ہوتے ہیں، دوسرے مفہوم کے رو سے جزیہ ادا کرنے والوں کو مقدار جزیہ سے زیادہ دینا نہیں پڑتا، کیونکہ وہ کاروبار میں بہت کم حارج ہوتا ہے، تیسرے مفہوم کے رو سے جزیہ افزونی دولت، اور اضافہ مرفہ الحالی میں مانع اور مزاحم نہیں ہے،

پانچواں قانون **پیداآوری** جزیہ کی رقم کی آمدنی نہایت معقول ہوتی ہے، اور اس سے مصارفِ حکومت کے واسطے آمدنی پیدا کرنے کا منشا حاصل ہوتا ہے، اور سلطنتوں کو چھوڑ کر خود اورنگزیب کے زمانہ میں صرف گجرات سے جزیہ کی رقم جس قدر وصول ہوتی تھی، وہ مرجدونا تھ سرکار اور ہمارے معترض ارسطو دونوں

---

[۱] مبسوط ص ۲، ج ۱۰، [۲] کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۶۹،

کو کھلتی ہے،

چھٹا قانون تغیر پذیری ہے ٹکس متعدد ذرائع پر مختلف شرحون سے اس طرح قائم کرنا چاہیے کہ حسب حالات اس کی مقدار یا حصل مین اضافہ وتخفیف ہوسکے، یہ نہین کہ مصارف حکومت کے واسطے خواہ رقم زیادہ درکار ہو، یا کم ہر حالت مین احصل ٹکس کی تعداد وہی ایک رہے، جو کبھی خرچ کے واسطے بھی ناکافی ہو، اور کبھی زائد بچ رہے، بہ الفاظ مختصر، ماحصل ٹکس جس حد تک کمی وبیشی مصارف کی متابعت کرے بہتر ہے، جزیہ مین اس شکل کے علاوہ جب کسی شہر یا علاقے سے کوئی خاص رقم طے ہوجائے ہمیشہ اس قانون کا لحاظ رکھا جاتا ہے، وہ مختلف پیشون پر مختلف شرحون سے حسب حیثیت وصول کیاجاتا ہے، اس مین کمی وبیشی کا بھی اختیار ہے، چنانچہ تخفیف جزیہ کے بعض واقعات امام ابویوسف اور یحییٰ بن آدم کی ہمنام تصنیفات (کتاب الخراج) سے اوپر نقل کئے گئے ہین، اور معافی جزیہ کی نسبت موانیہ کا مسئلہ بھی درج کیاگیا ہے،

بیانات بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ چونکہ جزیہ ان تمام قوانین واصول کا پابند ہے، اس لئے معاشی حیثیت سے وہ نہایت عمدہ محصول ہے، کیونکہ وہ تمام محصول جو ان اصول کے پابند نہ ہون یا کم پابند ہون معاشیین کے نزدیک ناقص ہوتے ہین،

Marfat.com

(۴)

از مولانا سعید انصاری صاحب سابق رفیق دارالمصنفین

یہ ثابت ہونے کے بعد کہ جزیہ موجودہ معاشی معیار سے ایک بہترین محصول ہے، آیندہ یہ دکھایا جائیگا کہ اسلام کے علماے معاشیات نے اس پر کس حیثیت سے بحث کی ہے، ہم نے جہاں جزیہ کے سات نظریات بیان کئے ہیں، اور مبسوط کے حوالہ سے یہ بھی دکھایا ہے کہ جزیہ کی حیثیت محصول مکان کی ہے، یہ حیثیت کس طرح نمایاں کی گئی ہے ؟ اس کا جواب آگے آتا ہے،

معاشیات کے متعدد مسائل کی طرح محصول مکان کی بحث بھی معمول سے زیادہ پیچیدہ اور توجہ طلب ہے، تاہم مختصر بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، محصول سے مراد مکان کی ملکیت کا خراج ہے، لیکن اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ جو رعایتیں کی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مکان کو غیر مسلم کی ملکیت[1] تصور کرتے ہوئے بھی وہ اس سے ملکیت کا محصول طلب نہیں کرتا، بلکہ سکونت کا محصول مانگتا ہے، اس طرح زمین کے متعلق بھی مالک کی اصل پوزیشن کو قائم رکھتے ہوئے بھی اسلام وصولی محصول کے وقت اس کو "کرایہ دار"[2] فرض کرتا ہے،

---

[1] مبسوط ص ۸۰ جلد ۱۰ فانما لیسکن دار نفسہ، مصنف کا نظریہ ہے۔ [2] ایضاً ص ۸۰، جلد ۱۰ "ولا یمکن من السکنیٰ فی دار الغیر الا بکراء" یہ معاشی علماء کا خیال ہے،

Marfat.com

اوراس پر ہلکا ٹکس لگتا ہے، پھر دوسری رعایت یہ بھی ہو کہ ۲۰۰ درہم سے کم آمدنی والے پر کرایہ کا کوئی محصول نہین اور وہ مستثنیٰ ہے،

مسلمان معاشی علما نے محصولِ مکان کے نظریہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ فقیر کو مکان کے لئے ایک درہم (چار آنہ) ماہوار دینا کافی ہے، متوسط الحال کو اس سے زیادہ کی ضرورت ہے اس لئے اس کا دوگنا (دو درہم یا آٹھ آنے ماہوار) ہونا چاہئے، اور جو بہت بڑا غنی ہو، اس کی بھی یہی حالت ہو، (یعنی اس کو متوسط الحال سے بھی زیادہ بڑے مکان کی ضرورت ہوتی ہو) اس لئے دو درہم کا دوگنا چار درہم یا ایک روپیہ ماہوار اس کا کرایہ ہونا چاہئے، یہ نظریہ مبسوط (ص ۰، جلد ۱۰) مین درج ہے، اور اس کو پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ مکان کو مالی حالت کا معیار فرض کیا گیا ہے،

گذشتہ عنوان مین جن چھ قانونون کا حوالہ دیا گیا ہے، جزیہ محصول مکان ہونے کے بعد بھی ان کا پابند نظر آتا ہے، مثلاً اس کی پیدا آوری یہ ہے کہ ۲۰۰ درہم سے کم مالیت والون پر عائد نہ ہونے کے باوجود اس کی مقدار معقول رہتی ہے، کفایت یہ ہو کہ اس کی فراہمی مین زیادہ خرچ نہین پڑتا، نہ مقدار معین سے زیادہ دینا پڑتا ہے نہ ترقی دولت اور مرفہ الحالی مین فراحم ہے، کیونکہ اس کی شرح مناسب ہو، عدل یہ ہو کہ کرایہ مکان (دراصل خود مکان) کی حیثیت مکاندار (اب کرایہ دار) کی مالی حالت کے مطابق ہے، (بلکہ دراصل مکان کی حیثیت کرایہ سے بدرجہا زیادہ ہے) تغیر پذیری یہ ہے کہ معاشی ترقیون کے ساتھ مکانات کی قیمت اور کرایہ بڑھتا رہتا ہے، تعین خود اختیاری ہے، سہولت ظاہر ہے،

کیا جزیہ فرقہ وارانہ محصول ہے؟ معاشیات مین یہ بھی معیوب سمجھا جاتا ہے کہ کسی ملک مین فرقہ وارانہ محاصل قائم کئے جائین، ہمارے ملک کے سفری پردے جو بقول مسٹر پلنیڈ ہندوستان کے ذریعہ انگلستان کو تونگر بنا جاتے ہین[۱]

---

[۱] مالیات عامہ اور ہمارے افلاس کے اسباب ص ۳۰، از جے سی کمار، پا ایم اے، بی ایس سی، مترجمہ قاضی محمد حسین بحوالہ انڈین اوٹ لک،

اسلام کو اس بات کا ملزم ٹھہراتے ہین کہ اوس نے فرقہ وارانہ محصول غیر مسلمون پر قائم کیا تھا اور اس طرح معاشی حیثیت سے ایک فاش غلطی کی تھی، نظریۂ قولیت کے یہ مبلغین جب اس الزام کا اعادہ کرتے ہین تو ان کے چہرون پر فرحت وانبساط کی لہرین دوڑنے لگتی ہین، ہم الزامی جواب کے طور پر اگرچہ اس سلسلہ مین انگلستان کی تاریخ کے اس دور کو پیش کرسکتے ہین جس مین ٹیوڈر خاندان حکمران تھا، لیکن ایسا کرنے سے صرف ایک عیب کی پردہ پوشی ہوگی جس کو ممکن ہے کہ معاشیین کے لائق اور تعلیم یافتہ دماغ اپنی توہین خیال کرین، اس لئے ہم اصل حقیقت پر متوجہ ہوتے ہین،

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ محصول کا مفہوم ادا کرنے کے لئے عربی زبان مین دو لفظ پہلے سے موجود تھے، خراج اور جزیہ، اور دونون فرقہ واری اور ذلت کے مفہوم سے خالی تھے، اسلام کے بعد زمین کے محصول کا اصطلاحی نام خراج رکھا گیا جو (Land Tax) کا مرادف ہے، انسانون کی آمدنی کے محصول (Income Tax) کے دو نام رکھے گئے،

(۱) اگر وہ ڈھائی فیصدہ کی شرح یا دوسری شرحون سے قائم کیا گیا ہو، اور اس کا طریقہ آج کل کے محصول مجموعی (Plural Taxation) کا ہو تو اس کا نام زکوۃ ہے، اور یہ مسلمانون سے لیا جاتا ہے (اس مین بہت سی چیزون کی زکوۃ وصول کی جاتی ہے، اور بحیثیت مجموعی زکوۃ دینے والون پر مساوی بار پڑتا ہے)

(۲) اور اگر محصول مجموعی کے طرز پر ہونے کے باوجود مختلف طبقون کی مالی حالت کا لحاظ کرتے ہوئے مختلف شرحون سے قائم کیا گیا ہو تو اس کا نام جزیہ ہے، اور غیر مسلمون سے لیا جاتا ہے،

اس سے ثابت ہوا کہ زکوۃ اور جزیہ کے نامون کا فرق، فرقہ وارانہ جذبات کی وجہ سے نہین پیدا ہوا بلکہ شرح محصول کے اختلاف کی بنا پر پیدا ہوا ہے جس طرح انکم ٹکس، ہاؤس ٹیکس، امپیریل ٹیکس، پرسنل اینڈ فرنیچر ٹیکس وغیرہ علٰحدہ علٰحدہ نام شرحون کے مختلف ہونے کی وجہ سے رکھ لئے گئے ہین،

Marfat.com

کیا جزیہ بھاری محصول ہے؟ | زکوٰۃ اور جزیہ کا بلاواسطہ متزاید محصول جو اسلام نے مسلمان اور غیر مسلمون پر لگایا تھا، اگرچہ شخصی حکومتون کے زمانہ مین رائج نہین ہو سکتا تاہم یہ اسلام کا حیرت انگیز معجزہ ہے کہ اس کے تمام ادوارِ حکومت (یعنی جمہوریت و شخصیت) مین یہ محصول ہمیشہ قائم رہا، اور آج کل کے سرمایہ دارون کے علی الرغم اوس زمانہ کے دولتمندون نے اوس کو بطیب خاطر برداشت کیا، اس محصول کا تقرر دو مختلف اصول کو پیشِ نظر رکھ کر ہوا ہے،

(۱) اسلامی سلطنت چونکہ مسلمانون کی قومی سلطنت تھی، اس لئے محصول متزاید (Progressive Income Tax) کی وہ شکل اختیار کی گئی جس مین آمدنی کے اضافہ کے ساتھ ساتھ محصول کی رقم برابر بڑھتی جاتی ہے، گو شرح ایک ہی رہتی ہے، اور اس محصول کا بار دولت مند طبقہ پر زیادہ پڑتا ہے،

(۲) اسلامی سلطنت چونکہ غیر مسلمون کی قومی سلطنت نہ تھی، اس لئے محصول متزاید کی دوسری شکل پسند کی گئی جس مین ہر طبقہ کی الگ الگ حسبِ حیثیت ایک ایک شرح ہوتی ہے تاکہ مجموعی طور پر کسی ایک طبقہ پر زیادہ بار نہ پڑے، اور رقمِ محصول مین شرح کی وجہ سے اضافہ نہ ہو سکے،

چونکہ یہ دونون محصول (زکوٰۃ اور جزیہ) آج کل کی اصطلاح مین انکم ٹکس (Income Tax) کہے جا سکتے ہین، اس لئے مناسب ہوگا کہ انکم ٹکس سے جزیہ کا موازنہ کیا جائے تاکہ معترضین کو یہ نظر آئے کہ آج کل کا یہ مقبول ٹکس اسلام کے اس ناپسندیدہ محصول پر کیا فضیلت رکھتا ہے؟

انکم ٹکس کی شرح ۱۹۱۶ء تک یہ تھی،

ہزار سے لے کر دو ہزار سے کم تک	۴ پائی فی روپیہ
۲ ہزار " ۵ ہزار " "	۵ " "
۵ ہزار " ۱۰ ہزار " "	۶ " "
۱۰ ہزار " ۲۵ ہزار " "	۹ " "

Marfat.com

۲۵ ہزار سے لیکر زیادہ	ارفی روپیہ

۱۹۱۷ء میں سوپر ٹیکس (Super tax) حسب ذیل ہوگا،

۲۵ ہزار سے لیکر ۵۰ ہزار تک	۱ ارفی روپیہ
۵۰ ،، ایک لاکھ	۲ ،، ،،
ایک لاکھ ،، ڈیڑھ لاکھ	۲/۸ ،، ،،
ڈیڑھ لاکھ ،، دو لاکھ	۳ ،، ،،
دو لاکھ سے لیکر ڈھائی لاکھ تک	۳/۸ ،، ،،
ڈھائی لاکھ ،، اوپر	۴ ،، ،،

یہ بھی واضح رہے کہ اس میں عورتیں، بچے، پاگل، بوڑھے، اپاہج، اور ہر صاحب آمدنی جو ایک ہزار سے اوپر کماتا ہو، سب شامل ہیں، ٹیکس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے، البتہ جو ایک ہزار روپیہ سے کم آمدنی رکھتے ہیں، وہ مستثنیٰ ہیں، خواہ تندرست ہوں یا بیمار، عورتیں ہوں یا مرد، بوڑھے ہوں یا بچے،

جزیہ کی شرح یہ تھی، اور ہمیشہ یہی رہی:

فاضل رقم صہ تک	ے/ سالانہ
صہ سے لیکر ڈھائی ہزار تک	سے/ سالانہ
ڈھائی ہزار سے ،، اوپر	عہ/ ،،

یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ عورتیں، بچے، اور مخبوط الحواس جزیہ سے بالکل مستثنیٰ تھے، ان کے علاوہ اور لوگ جن کا کاروبار چلتا ہو، خواہ اس کو وہ خود چلاتے ہوں یا کارندوں کے ذریعہ سے انجام پاتا ہو،

لہ مترجم: انکم ٹیکس کی موجودہ شرح اس سے کہیں زیادہ ہے جو شاید مضمون نگار کو معلوم نہ ہوگی، اس حساب سے انکم ٹیکس کا بار ۱۹۱۷ء کی شرح سے بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے،

Marfat.com

جزیہ ادا کرتے تھے،

فرض کیجئے کہ ایک شخص کے پاس ایک ہزار روپیہ ہے، تو ۴ پائی فی روپیہ کے حساب سے اس کو سال مین ۱۲/۴ انکم ٹیکس ادا کرنا پڑے گا، حالانکہ اس کے جزیہ کی رقم صرف ے سالانہ ہوگی، اسی طرح اگر ایک شخص کے پاس پانچ لاکھ روپیے ہین تو ان کا انکم ٹیکس ۴ر فی روپیہ کے حساب سے ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ ہوگا، اور جزیہ صرف عـہ را

ناظرین انصاف فرمائین کہ سوا لاکھ کی رقم گران ہے یا بارہ روپے! اور انکم ٹیکس رعایا کے لئے سہل و مفید ہے یا جزیہ ؟

جزیہ کا اثر معاشیات اسلام پر شاید اس موازنہ سے یہ خیال پیدا ہو کہ جزیہ کا بار امراء پر بہت کم پڑتا تھا لیکن متوسطین اور غرباء اس کے بار کے نیچے دبے ہوئے تھے، اس لئے سلطنتِ اسلامیہ کی معاشی حالت کا سرسری طور پر جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ غیر مسلم اسلامی سلطنت کے زیر سایہ معاشی حیثیت سے کس حالت مین زندگی بسر کرتے تھے،

مسٹر ہوبسن (J. A. Hobson) نے کام اور دولت (Work and Wealth) مین اندازۂ تونگری کے لئے پیمانۂ زر کے بجائے انسانی خوشی کے ایک درجہ کو پیمانہ بنانا پسند کیا ہے[1] لیکن اسلام نے ایک درجہ کے بجائے انتہائی درجہ کو پیمانہ بنانا اپنا نصب العین قرار دیا تھا، چنانچہ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پایۂ تخت کے ایک دور افتادہ صوبہ (عراق) کی سب سے کمزور آبادی (بیوہ عورتون) کی بہترین معاشی حالت کو وفات سے ۴ روز قبل ان الفاظ مین بیان فرمایا تھا،[2]

"اگر خدا نے مجھکو زندہ رکھا تو مین اہل عراق کی بیوہ عورتون کو ایسی حالت مین چھوڑ جاؤن گا،

---

[1] مالیاتِ عامہ اور ہمارے افلاس کے اسباب ص، از جے سی، کمارپا مترجمۂ قاضی محمد حسین [2] صحیح بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ

Marfat.com

کہ میرے بعد اُن کو کسی شخص کی امداد کی احتیاج باقی نہ رہے گی"۔

اور آئندہ خلیفہ کو میں اُس وقت جب وہ بستر مرگ پر تھے، غیر مسلموں کے متعلق یہ وصیت فرمائی تھی، [1]

"اور میں اس کو اُن لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں، جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے کہ اُن سے جو معاہدہ ہے وہ پورا کیا جائے، اور اُن کی حمایت میں لڑا جائے، اور اُن کو اُن کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے"۔

ان احکام اور اعلانات کا نتیجہ یہ تھا کہ بعد کے زمانہ میں ہمیشہ غیر مسلم رعایا کی خوشحالی کا خیال رکھا گیا، جزیہ کی شرح جس قدر کم تشخیص کی گئی تھی، اس کا بیان ابھی ہو چکا ہے تاہم جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، جزیہ کی یہ شرح مجموعی آبادی کی معاشی حالت کا اندازہ کر کے تخمینی دولت و ثروت کے لحاظ سے سہولۃً مقرر ہوئی تھی ورنہ اندرونی طور پر بعض صوبوں میں گذشتہ معیار دولت کے علاوہ بعض اور معیار بھی پائے جاتے تھے، اور انہی کے مطابق جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ اسی بنا پر شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط (ص ۸۰، ج ۱۰) میں لکھا ہے، کہ

"یہ ممکن نہیں ہے کہ مال کا کوئی صحیح اندازہ کیا جا سکے، کیونکہ وہ شہروں کے (حالات کے) مطابق مختلف ہوتا ہے"۔

اس کا یہ مطلب ہی کہ غربا، متوسطین اور امراء کی دولت کا جو معیار ۲۰۰، ۱۰ ہزار اور زیادہ کی شکل میں قائم کیا گیا ہے، وہ دراصل غربت و تموّل کا کوئی صحیح معیار نہیں ہے، کیونکہ بعض صوبے زیادہ متموّل ہیں، بعض اُن سے کم، اور بعض ان سے بھی کم، اس لئے ہر جگہ کا معیار بالکل مختلف ہوگا، اسی نکتہ کا خیال کر کے امام ابوجعفر (طحاوی) کہتے ہیں [2]،

"ہر شہر کا عرف معتبر ہے، جس شخص کو لوگ اپنے شہر میں فقیر یا متوسط یا غنی شمار کریں، وہ ویسا ہی سمجھا جائے گا، اور یہی صحیح مذہب ہے"۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبیؐ [2] فتاویٰ عالمگیری ص ۲۴۴، ج ۲

Marfat.com

اس نقطۂ نظر کے مطابق تشخیص جزیہ میں جو تغیر پیدا ہوا، وہ سطور ذیل سے ظاہر ہوگا،

پہلی صدی ہجری میں شام کا صوبہ ذرائع آمدنی زیادہ رکھتا تھا ، اس لئے زیادہ خوشحال تھا یمن کا صوبہ معاشی حیثیت سے اس کی برابری نہیں کرسکتا تھا، اس لئے دونوں صوبوں کے جزیہ کی شرح مختلف رکھی گئی، شام میں فی کس ۴ دینار سالانہ ، اور یمن میں ایک دینار سالانہ وصول کیا جاتا تھا، اس کا سبب جب مشہور تابعی مجاہد سے دریافت کیا گیا، تو بولے کہ

"دولت مندی کی بنا پر ایسا کیا گیا"[1]

پانچویں صدی کے آخر میں اسلامی سلطنت کے دو اہم صوبوں عراق ، اور ترکستان کی معاشی حالت کے متعلق ایک تصریح ملتی ہے، شمس الائمہ سرخسی، مبسوط (ص ۸۰، ج ۱۰) میں لکھتے ہیں کہ

"عراق میں پچاس ہزار کا مالک متوسط الحال سمجھا جاتا ہے، اور ہمارے ملک میں دس ہزار درہم کا مالک غنی شمار کیا جاتا ہے، اس لئے اس کا فیصلہ امام کی رائے پر چھوڑنا چاہئے"

اس تصریح کا منشا یہ ہے کہ صوبوں کے معیار دولت کا صحیح اندازہ امام کرسکتا ہے اور وہی شرح جزیہ کو مالی حالت پر منطبق کرنے کا بھی مجاز ہے، مثلاً جس صوبہ میں ۲۰۰ درہم سے لے کر ۱۰ ہزار تک کا مالک متوسط سمجھا جاتا ہے، وہاں وہ اس رقم پر چھ روپیہ سالانہ جزیہ دیگا، لیکن عراق میں چونکہ پچاس ہزار کا مالک بھی متوسط ہے، اس لئے وہاں پچاس ہزار پر چھ روپیہ لئے جائیں گے ، اور اس کے اوپر بارہ درہم امرار کی شرح جزیہ ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر کسی صوبہ کی استعداد و پیداوار بڑھتی جاتی ہے، اسی قدر جزیہ کا بار ہلکا ہوتا جاتا ہے، اور یہ اسلامی حکومت کی منفعت بخش پالیسی کا ایک بین ثبوت ہے۔ (موجودہ انکم ٹیکس میں جس قدر استعداد و پیداوار بڑھتی ہے ٹیکس کا بار بہت زیادہ ہوتا جاتا ہے، جو آخر میں ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔)

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد باب الجزیہ والموادعہ،

Marfat.com

سر جادو ناتھ سرکار کا مغالطہ

پروفیسر جدوناتھ سرکار نے اپنی تاریخ دانی کے زعم مین جزیہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس مین پے در پے بہت سی غلطیان کی ہین، جن کا دور کرنا ضروری ہے، سب سے پہلی غلطی بلکہ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ انھون نے جزیہ کا نام (Poll Tax) رکھا ہے، جو نہ صرف غیر مسلمون بلکہ خود انسانیت کے لئے باعث ننگ ہی، پروفیسر صاحب نے اگر یہ لفظ خود ایجاد کیا، یا اس کے استعمال مین علماے یورپ کی تقلید پسند کی، تو یہ ان کا ذاتی فعل ہے لیکن اگر اس کا جواز کسی اسلامی سند کی بنیاد پر ہے، تو واضح ہونا چاہئے کہ طبری وغیرہ نے جو جزیۃ الجماجم یا جزیۃ الرؤس کا لفظ لکھا ہے، وہ علم نہین ہے، یعنی اُس ٹکس کا یہ نام نہین ہے بلکہ اس ٹکس سے پہلے چونکہ زمین کی پیداوار اور محصول کا ذکر آگیا ہے، اور آخر مین اس کا نام آیا ہے، اس لئے دوسری پیداوار مثلاً گیہون، جو، ترکاریون وغیرہ کی طرح انسانون کا تذکرہ بھی ضروری تھا، کیونکہ ذکر کے بغیر یہ کیونکر معلوم ہو سکتا تھا، کہ کس چیز کا محصول ہے؟ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ذہن مین رہنی چاہئے کہ طبری نے یہ الفاظ نوشیروانی محصول کے تذکرہ مین لکھے ہین، اس لئے اسلامی عہد کے جزیہ کی نسبت اُن کا اطلاق ثبوت طلب ہی،

دوسرا مغالطہ

دوسرا مغالطہ یہ ہی کہ انھون نے جزیہ کی رقم کا نہایت غلط اندازہ لگایا ہے، اور جزیہ کی مقدار کی زیادتی کو مثال کے طور پر گجرات کے صوبہ مین ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ وہان سالانہ پانچ لاکھ روپیہ کی آمدنی تھی[1]، اور اس کی شکل یہ اختیار کی ہے کہ انڈیا آف اورنگ زیب کے بیان کے مطابق (جس کا حوالہ حاشیہ ص ۴، ۲ تاریخ اورنگزیب مین ہے،) تقریباً ۱۶۹۵ء (۱۱۰۷ھ) مین گجرات کی تحصیل محض یا محاصل خام (Gross Revenue) ۱۲۵ لاکھ روپیہ (ایک کرور پچیس لاکھ روپیہ) سالانہ تھی، جس مین اور جزیہ کی آمدنی مین ۳ ½ فیصدی کا تناسب ہی، جو اُن کے نزدیک بہت زیادہ ہے اس کے متعلق چند باتین عرض کرنا ہین،

[1] مرآۃ احمدی ص ۲۹۳، ج ۱

Marfat.com

(۱) گجرات کے جزیہ اور اس کے تناسب پر تمام ہندوستان کے جزیہ اور اس کے تناسب کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ گجرات مین اگرچہ ہندوؤن کی اکثریت تھی، تاہم پنجاب، کشمیر، اور سندھ وغیرہ مین مسلمان زیادہ آباد تھے، اس لئے ان صوبون مین جزیہ کی آمدنی کم اور نہایت کم ہوگی، اور تناسب بھی ۳½ فیصدی سے بہت کم ہوگا،

(۲) گجرات کے جزیہ کا تناسب دکھاتے وقت گجرات کی زکوٰۃ کا تناسب بھی دکھانا چاہئے تھا، کیونکہ بقول پروفیسر صاحب (ص ۲۰۲ ج ۲) گجرات مین بہت زیادہ مسلمان آباد تھے،

(۳) زکوٰۃ کی شرح ۲½ فی صدی ہے، اور وہ مختلف قسم کے چیزون سے وصول کی جاتی ہے، اسلئے مسلمانون کی ایک بڑی آبادی مین اس کی مقدار گجرات کے جزیہ کی رقم کے قریب قریب ہو سکتی ہے، اور تناسب بھی شاید وہی ہو سکتا ہے، اس بنا پر اورنگزیب پر مسلمانون کی پاسداری اور ہندوؤن کی طرف سے تغافل کا الزام غلط ہے،

(۴) گجرات کے جزیہ اور محاصلِ خام کا تناسب صرف ۳½ فیصدی ہے، جو بہت کم ہے لیکن پروفیسر صاحب اس پر بھی متحیر ہین، حالانکہ اگر اُن کو محصولون کی اس تعداد اور تناسب کا علم ہوتا، جو آج کل حکومت برطانیہ کے اندر رائج ہین، تو اُن کی حیرت سکون و خاموشی سے بدل جاتی، [1] مثلاً مطالبات وطن (Home Charges) کی رقم کو لے لیجئے، جو ہر سال انگلستان چلی جاتی ہے، وہ پرتھ ناتھ بنرجی کی تصریح کے مطابق مجموعی مداخل (یعنی دو ارب ایک کرور روپیہ) میں چالیس فی صدی سے زیادہ ہے، [1] افیون، نمک، اسٹامپ، چنگی، آبکاری، ابواب، کروڑگیری، انکم ٹیکس، رجسٹری، جنگلات، ریلوے وغیرہ سے پچاس کرور روپے سے زیادہ وصول ہوتا ہے، جو مجموعی داخل (دو ارب ایک کرور) کا کم از کم پچیس فی صدی ہے، (یہ واضح رہے، کہ اورنگزیب کے زمانہ مین آج کل

---

[1] معاشیات ہند ص ۲۹۵، ترجمہ مولوی محمد الیاس برنی،

Marfat.com

کی طرح کثرت سے محصول نہ تھے، بلکہ اکثر محصول معاف کر دیئے گئے تھے،) جزیہ کو اگر فوجی محصول مانا جائے، (جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے) تو اس ۳ ½ فی صدی محصول کا موازنہ اس ۳۲ کروڑ روپیے سالانہ سے کرنا چاہیے، جو ہندوستان کے فوجی انتظام پر حکومت برطانیہ صرف کرتی ہے، اور جو محاصل خالص (Net Revenue) کا ۴۲ فی صدی ہے،[1]

غالباً محصولوں کی یہ تعداد اور تناسب حیرت دور کرنے کے لئے کافی ہوگا،

تیسرا مغالطہ | تیسرا مغالطہ یہ ہے کہ انھوں نے اشخاص کی آمدنی سے جزیہ کی شرح کا تناسب معلوم کرکے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے، کہ غرباء پر اس کا بہت زیادہ بار پڑتا تھا، اس کے لئے انھوں نے غریب کی شرح چھ روپیے فی صدی، متوسط کی چھ فی صدی سے ۴ فی صدی تک (یعنی ۲۰۰ درہم سے ۱۰ ہزار درہم تک حسب مدارج) اور امیر کی ۴ فی ہزار شرح بتلائی ہے (صفحہ ۲۰ جلد ۳) اگرچہ آج بھی امراء کے بہ نسبت غرباء پر محصول کا بار جس قدر زیادہ پڑتا ہے، اس کی شہادت میں فرود ر لیڈر مسٹر میکڈانلڈ، سابق صدر اعظم ...... حکومت برطانیہ کے اقوال گورنمنٹ آف انڈیا، میں درج ہیں، اور سر اسے کولن، اور سر ولیم ہنٹر وغیرہ نے بھی اس کے متعلق اظہار خیال کیا ہے، تاہم موجودہ انکم ٹکس کی شرح سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ اس کی شرح ایک ہزار روپیہ سے لے کر ۲ ہزار سے کم تک ۴ پائی فی صدی پچیس ہزار سے زیادہ کی ۲ فی صدی، ۵۰ ہزار سے ایک لاکھ تک کی ۲ فی صدی اور ڈھائی لاکھ سے اوپر کی ۶ فی صدی ہے، اس کو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ جزیہ کی سب سے کم شرح (بقول پروفیسر صاحب) ۴ فی ہزار ہے، لیکن انکم ٹکس کی سب سے کم شرح ۴ پائی فی ہزار ہے، اسی طرح جزیہ کی سب سے زیادہ شرح ۶ فی ہزار ہے، لیکن انکم ٹکس کی آخری شرح ۶ فی ہزار ہے، ان اعداد سے پتہ چلتا ہے کہ جزیہ میں اگر ایک طبقہ کسی قدر زیادہ بار برداشت کرتا تھا، تو انکم ٹکس میں ہر طبقہ

---

[1] محاصل خالص ۵۰ کروڑ اور محاصل خام ایک ارب ۲۰ کروڑ ہیں دیکھو معاشیات ہند صفحات ۲۰۰، ۲۰۸، مترجمہ برنی، یہ مضمون کئی سال پہلے کا لکھا ہوا ہے،

محصول کے بارگران سے دبا ہوا ہے، اور جزیہ مین غربا اگر محصول سے کچھ پریشان ہو سکتے تھے، تو انکم ٹکس سے امراء اس سے کہین زیادہ پریشان ہو سکتے ہین، شاید پروفیسر صاحب بار کے اس "تناسب" کو حساب لگاتے وقت بھول گئے تھے،

اگر تمام طبقون کو یکجا کر کے اس بار کا اوسط نکالا جائے، تو جزیہ کا اوسط صرف ۲ر فی صدی ہوتا ہے (کیونکہ متوسطین کا سب سے کم اوسط یہی ہے) لیکن آج کل محصول کا بار اوسطاً آمدنی کے نو فیصدی (یعنی لعہ فیصدی) رہتا ہے[1]، ناظرین ۲ر فی صدی اور لعہ فی صدی کے تناسب پر غور فرمائین،!

سرجادوناتھ نے غربا کے متعلق جو متن لکھا تھا، ہمارے "ارسطو" نے اس پر ایک پُرلطف شرح تصنیف فرمائی ہے، ارسطو کہتے ہین، "تقریباً ۲۰ سال مین ساری جائداد ہی غائب غلہ ہو جائے گی" (آریہ گزٹ)
اُن کی خدمت مین یہ عرض ہے کہ

(۱) معاشیات کے رو سے جزیہ پر جہان نظر ڈالی گئی ہے، وہان یہ لکھا ہے کہ چونکہ جزیہ بلا واسطہ متزاید ٹکس ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ شرح کے اضافہ کے ساتھ ساتھ آمدنی کا بھی اضافہ ہو، مثلاً اگر ایک شخص کے پاس پہلے سال ۲۰۰ درہم موجود ہین، تو وہ غربا کا جزیہ (۱۲ درہم) ادا کرے گا لیکن اگر اس کے پاس آیندہ سال صرف ۵۰ درہم رہ گئے ہین، تو اس سے کچھ نہ لیا جائے گا، اسی طرح اگر ایک متوسط نے پہلے سال ۲۴ درہم جزیہ ادا کیا، اور آیندہ سال اوس کا سرمایہ فقرا کے برابر ہو گیا تو اس سے متوسط کا جزیہ وصول نہ کیا جائے گا، بلکہ فقرا کا محصول لیا جائے گا، اس کی تصریحات فقہ کی کتابون مین موجود ہین، اس بنا پر جزیہ کی وجہ سے جائداد کے "تلف ہونے کا خطرہ نہین،

(۲) جزیہ مین غریب پر پہلے سال جو بار پڑتا ہے وہ آمدنی کا سولھوان حصہ ہے یعنی پچاس پر سے، لیکن انکم ٹکس مین پہلے ہی سال امیر کی آمدنی کا چوتھائی حصہ (شرح اعلیٰ مین) نکل جاتا ہے یعنی ۵ لاکھ پر سوا لاکھ، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غریب پر جزیہ سے تباہی (اگر آمدنی مین اضافہ نہ ہو) بتدریج اور دیر مین آتی ہے اور انکم ٹکس پہلے ہی سال امیر کی کمر توڑ دیتا ہے،

---

[1] معاشیات ہند پنتھ ناتھ بنرجی ص ۲۷۹، مترجمہ مولوی الیاس برنی،

Marfat.com

(۳) جزیہ سے غریب طبقہ دیر مین متاثر ہوتا ہے. اور متوسطین و امرا پر کچھ اثر نہین پڑتا لیکن انکم ٹکس مین سب سے زیادہ امرا تباہ ہوتے ہین، اور متوسطین و فقرا بھی بربادی سے محفوظ نہین رہتے،

(۴) بیس سال مین اگر جزیہ پچاس کی جائداد یا آمدنی کو برباد کرسکتا ہے، تو اسی قدر عرصہ مین انکم ٹکس ۵ لاکھ کی رقم اور جائداد پر پانی پھیر سکتا ہے،

چوتھا مغالطہ | چوتھا مغالطہ، تیسرے مغالطہ کی دوسری شکل ہے یعنی انھون نے جزیہ کی شرح اور غلہ کے نرخ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ غریب طبقہ مظلومی کی انتہائی حد تک پہنچا ہوا تھا کیونکہ ایک غریب کی شرح ٹکس اس کے سال بھر کے مصارف طعام کے برابر تھی، (تاریخ اورنگزیب جلد ۳ صفحہ ۲۷۰)

اس "تاریخی دیانت" کی "تحلیل" کے لئے حسب ذیل امور ذہن نشین ہونے چاہئین،

(الف) جیساکہ مسٹر ڈبلیو، ایچ. مورلینڈ نے "ہندوستان وفات اکبر کے وقت" [۱] مین لکھا ہے، آج کل ہندوستان کی اوسط آمدنی تین صدی قبل کی حالت سے زیادہ نہین ہے،

(ب) بقول مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی اس زمانہ مین جماعت کثیر کی سالانہ آمدنی کا اوسط صرف اٹھارہ شلنگ یعنی للعہ رفی کس ہے، (معاشیات ہند مترجمہ برنی ص ۴)

(ج) مورلینڈ کی تصریح کے مطابق اگرچہ عہد مغلیہ و برطانیہ مین آمدنی کے اوسط کے لحاظ سے کوئی فرق نہین ہے، تاہم اجناس کے نرخ مین سات گنے کا فرق پیدا ہوگیا ہے، (اکبر تا اورنگ زیب [۲])

(د) ۱۰۴۳ھ (مطابق ۱۶۳۳ء) کے نرخ سے ایک من گیہون کی قیمت ایک روپیہ تھی یعنی

---

[۱] مترجمہ مولوی حبیب الرحمن خان ایم، اے، ال ال بی باسم "ہند کی معاشی حالت شہنشاہ اکبر کی وفات کے وقت" ص ۲۹۲ [۲] ترجمہ مولوی سید ہاشمی فریدآبادی، باسم معاشی حالات ہند از اکبر تا اورنگ زیب" ص ۲۲۵ ص ۲۲۶،

Marfat.com

حالاتِ ہند از اکبر تا اورنگ زیب، مترجمہ ہاشمی ص ۲۲۶ لیکن ۱۹۳۳ء (۱۳۵۲ھ) کے نرخ سے اس کی قیمت چار روپیہ ہے، (سات گنے کا فرق اس لئے نہیں ہے کہ ہم نے مغلیہ کے گران نرخ اور برطانیہ کے ارزان نرخ کو لیا ہے،)

(ج) محصولِ زمین بزمانۂ اکبر کے لحاظ سے ۱ بسوہ کی مالگذاری ۵؎ تھی، (۱۰ بسوہ میں ۴ من ۲۰ ا رغلہ بآسانی پیدا ہو سکتا ہے، مالگذاری ثلثِ پیدادار ہوتی تھی، دیکھو آئین اکبری ص ۲۰۷ ج ۱) اور آج کل کے مطابق عا ہے، (بحساب للعہ فی بیگھہ)

(د) اگرچہ اورنگزیب کے زمانہ میں محصول کا بار فی کس وہ نہ تھا، جو آج کل ہے، کیونکہ اس نے بہت سے محصول معاف کر دیے تھے تاہم اس زمانہ کے سرکاری حساب کے مطابق ہم دونوں زمانوں (مغلیہ و برطانیہ) میں محصول کا بار فی کس ۱۱؍۴ پائی فرض کئے لیتے ہیں،

اب یہاں سے ۲ طریقہ پر حساب شروع ہوتا ہے،

(۱) اگر غلہ کے مصارف فی کس ۴ من ۲۰ ار سالانہ (بحساب ۱ روپیہ) رکھے جائیں، تو للعہ۱۴ سالانہ آمدنی والا شخص عہدِ مغلیہ میں للعہ کا غلہ ۵؎ مالگذاری اور ۱۱؍۴ پائی محصول ادا کر کے ۵؍ ۵ پائی کپڑے وغیرہ کے لئے بچا سکتا تھا لیکن عہدِ برطانیہ میں وہ للعہ کا غلہ عا مالگذاری اور ۱۱؍۴ پائی محصول دیکر ۱۱؍۴ پائی کا قرضدار ہو جائے گا،

(۲) اگر غلہ کا حساب فی کس ۹ من رکھا جائے، جو سرکار نے (تاریخ اورنگزیب ص ۲۰۰) رکھا ہے، تو عہدِ مغلیہ میں للعہ کا غلہ عا مالگذاری (ایک بیگھہ کی) اور ۱۱؍۴ پائی محصول پر خرچ کرنے کے بعد وہ صرف پانچ آنے دس پائی کا قرضدار ہوتا ہے جس کو وہ معمولی سی محنت سے ادا کر سکتا ہے لیکن عہدِ برطانیہ میں ۳۲؎ کا غلہ للعہ مالگذاری (ایک بیگھہ کی) اور ۱۱؍۴ پائی محصول پر صرف کر کے وہ ۱۱؍۴ پائی کا قرضدار ہو جائے گا، جو سال بھر کی آمدنی کا پورا دوگنا ہے، اور جس کو وہ سال بھر محنت کر کے بھی ادا

Marfat.com

نہین کرسکتا،[۱]

(۳) اگر جزیہ اور انکم ٹکس وغیرہ کا اوسط نہ نکالا جائے، بلکہ ان کی پوری شرح کے مطابق پوری رقم فرض کر لی جائے، تو عہد مغلیہ مین ۱۲ کا غلہ ۵ مالگذاری، اور سے رجزیہ ادا کرکے ۲ ۹ پائی پس انداز ہونگے، اور سر جادوناتھ کے حساب سے اس رقم کو دوگنا کرکے بھی وہ صرف دس آنے ۲ پائی کا قرضدار ہوگا، لیکن عہد برطانیہ مین ۱۳ کا غلہ، غا مالگذاری اور ۱۳ پائی انکم ٹکس ادا کرکے وہ ۱۳ پائی کا قرضدار ہوجائیگا (واضح ہو کر محصول مین صرف انکم ٹکس کی رقم رکھی گئی ہے، اور بہت سے محصول جو اس زمانہ مین ادا کرنا پڑتے ہین، ان کا حساب نہین لگایا گیا ہے) اور جادوناتھ صاحب کے حساب سے اس پر ۱۳ سالانہ کا ایسا وزنی بوجھ پڑے گا، جس سے چند ہی سال مین اس کی ایک ہزار کی آمدنی یا جائداد بالکل ہی غائب ہوجائے گی، اس سے ایک بات اور ثابت ہوتی ہے، جزیہ دالا صر کی جائداد یا آمدنی مین جس قدر مطمئن تھا، انکم ٹکس والا الف ہزار کی آمدنی یا جائداد مین بھی اتنا مطمئن نہین ہے، (جزیہ اور انکم ٹکس بالترتیب صر اور ہزار سے کم پر نہین ہین)

پہلے اور تیسرے حسابون کے بیانات سے عہد مغلیہ مین نصف آمدنی سے کچھ کم رقم پس انداز رہتی ہے، صرف دوسرے حساب کے روسے پانچ آنے دس پائی کا قرض رہتا ہے جو ۳ دین حصہ سے کسی قدر زائد ہے، بخلاف اس کے عہد برطانیہ مین پہلے اور تیسرے حساب کے مطابق سال کی پوری آمدنی صرف غلہ کے لئے بھی کافی نہین ہوتی، بلکہ للعہ کی مزید ضرورت ہوتی ہے، اور مالگذاری و محصول وغیرہ کے لئے علٰحدہ قرض لینا پڑتا ہے، جو دوسری صورت حساب مین سالانہ آمدنی کا پورا دوگنا، اور تیسری صورت حساب

---

[۱] معارف :۔ یہ مضمون کئی سال پہلے کا لکھا ہوا ہے، جب یہ ہوش ربا گرانی نہ تھی، ورنہ اگر آج کل کے نرخ سے حساب لگایا جائے، تو ۹ من غلہ کی قیمت دو سو روپیہ کے قریب ہوئی، اور ہندوستان کی آزادی اور قومی حکومت کے زمانہ مین اس حساب سے زندگی بسر کرنے کی کوئی صورت ہی نہین ہے،

کی ایک شکل مین تین گنے سے کچھ اوپر ہو جاتا ہے[1]

ان حسابات سے ظاہر ہوگا کہ سرکار نے جو یہ لکھا ہے کہ جزیہ مین غریب طبقہ کے سال بھر کے مصارف طعام غائب ہو جاتے تھے، وہ کسی حسابی اصول پر مبنی نہین ہے۔ بلکہ ایک ساحرانہ خطابت ہے، جو صرف عوام پر اثر ڈالنے کے لئے کام مین لائی گئی ہے!

پانچوان مغالطہ | پانچوان مغالطہ جزیہ کی "تحصیل" کے متعلق ہے، جس کو انھون نے سخت تحصیل سے تعبیر کیا ہے، اور اس سلسلہ مین چند واقعات لکھ کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جزیہ کی وصول مین اورنگ زیب کے حکم سے اتنا تشدد ہوتا تھا کہ غیر مسلم رعایا شورش، مظاہرہ، بلکہ بعض اوقات بغاوت پر آمادہ ہو جاتی تھی،

اس مغالطہ مین پہلی قابل اعتراض بات یہ ہے کہ باقاعدہ تحصیل کو "سخت" تحصیل کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، اور امیر عبدالکریم محصل جزیہ برہان پور کو سخت وصول کنندہ (ـ ئ e c T I s a ـ collector) کے لقب سے یاد فرماتے ہین، حالانکہ جس کتاب سے یہ واقعہ لکھا گیا ہے، اس مین میر عبدالکریم کے متعلق یہ الفاظ آئے ہین،

"میر عبدالکریم را کہ ضابطہ و استادزادہ پادشاہی شد و بکلیہ نفسیات و دیانت آراستہ بود"

(خافی خان ص ۲۷۸ ج ۲)

کیا ضابطہ، ہشیار اور باقاعدہ شخص کو سخت (ـ ئ e c T I s) کہتے ہین؟

دوسری چیز یہ ہے کہ پروفیسر جادوناتھ نے جزیہ کی سخت تحصیل کا تو ذکر کیا ہے لیکن اس کے اسباب کا ذکر غائب کر دیا ہے، جو تاریخی دیانت کے خلاف ہے، (تفصیل آگے آتی ہے)

تیسری قابل گرفت بات یہ ہے کہ پروفیسر صاحب نے ان واقعات کو بالکل فراموش کر دیا ہے جو

---

[1] اب ہندوستان کی آزادی اور قومی حکومت کے زمانہ مین اس حساب سے زندگی بسر کرنے کی کوئی صورت ہی نہین ہے۔

انہی کے ماخذون مین جزیہ کی نرم تحصیل کے متعلق مذکور ہین، مثلاً مرأۃ احمدی (ص ۲۷۱ ج ۱) مین اورنگزیب کا دیوانِ صوبہ کے نام یہ حکم مذکور ہے،

"و نیز حکم والا بنام دیوانِ صوبہ صدور یافت کہ کسانیکہ بعد وضع جزیہ پیش از ادائے آن یکسال برآنہا گذشتہ و سالِ دوم درآمدہ باشد اگر بے تساہلِ متصدیان سالِ اول نداده باشد موافق قولِ ابی حنیفہ رحمۃ اللہ اصل را اعتبار نمودہ، جزیۂ سالِ اول از آنہا نگیرند، و جزیۂ سالِ دوم بگیرند، و اگر از راہ تمرد جزیۂ سالِ اول ادا نکردہ باشد، موافق صاحبینؒ ہر دو سال از آنہا ستانند"

اس سے زیادہ رعایت کیا ہو سکتی ہے کہ تحصیلدارون کے مطالبہ کے باوجود اگر غیر مسلمون نے جزیہ نہین دیا ہے، تو وہ معاف کیا جاتا ہے. بشرطیکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جزیہ نہ دینا سرکشی کے باعث نہ تھا (یہ گرہ آگے کھولی جائے گی)

خود پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب کے حاشیہ (ص ۲۷۳) مین ایشور داس ناگر کی کتاب فتوحاتِ عالمگیری (باب ۳) سے نقل کیا ہے کہ

"شہنشاہ (اورنگ زیب) نے حیدرآباد فتح کرنے کے بعد وہان ایک سال کے لئے جزیہ، سائر اور تمام محاصل معاف کر دیئے، کیونکہ گورنر نے یہ اطلاع دی تھی کہ رعایا غربت کی وجہ سے محصول ادا کرنے کے قابل نہین ہے، اور اگر محصول لیا گیا تو ملک برباد ہو جائے گا"

ایشور داس ناگر گجرات کے "شیخ الاسلام" کے دفتر مین ملازم تھا، اور پٹن مین رہتا تھا، اس کی کتاب کو سرکار نے اپنی تاریخ (جلد اول) کے دیباچہ مین مستند قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود انھون نے متن مین اس واقعہ کا ذکر نہین کیا ہے، بلکہ حمید الدین خان نیمچہ کی احکام کے حوالہ سے (جس کا سرکار نے انگریزی مین ترجمہ کیا ہے) اس کے متضاد یہ واقعہ لکھا ہے کہ

Marfat.com

"چونکہ جزیہ کی تحصیل کا کام سختی سے ہوتا تھا، اس لئے ہندو تاجر دکن کو چھوڑ کر چلے گئے، اور غلہ کی کمی فوجِ شاہی میں محسوس ہوئی، اس وقت اورنگزیب نے امرار کی راے کے مطابق دکن کا جزیہ معاف کیا"؟

حیرت ہو کہ اس روایت کے استناد اور پہلی روایت کے عدم استناد کی نسبت کوئی راے نہ رکھنے کے باوجود سرکار نے خواہ مخواہ اس روایت پر کیونکر اعتماد کر لیا ؟ کیا ایک مورخ کی حیثیت سے تحقیق کی ذمہ داری اُن کے سر نہ تھی !

ان گزفتون کے بعد اب اصل مغالطہ کی جانب توجہ کیجاتی ہو، لیکن اُس کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پیشتر سرکار کی حب ذیل عبارت پیش نظر رہنی چاہئے،

"قدیم مسلم فرمانروایانِ ہند کے زمانہ میں جزیہ برہمنون کو مستثنیٰ کر کے تمام ہندوؤن پر مقرر ہوا تھا، جو اس مبترانہ اور مسالمانہ نظام میں معاف رکھے گئے تھے، جس کو سندھ میں محمد بن قاسم نے پیدا کیا تھا، فیروز شاہ نے اپنی پیرانہ سالی میں اس امتیاز کو مسترد کر دیا، اور برہمنون پر دوسرے کفار کی طرح محصول لگا دیا، اکبر کی دانشمندانہ سیاست دانی نے اس محصول کو منسوخ کر دیا اور ذلت کی ایک ہیجان انگیز علامت کو رعایا کی اکثریت سے ہٹا دیا، ایک صدی کے بعد اورنگزیب نے اس سیاست کو پلٹ دیا، (تاریخ اورنگزیب ص ۲۷۰، ۱۹۰۷ء)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ آغازِ حکومتِ اسلامیہ سے لے کر عہد اورنگزیب تک برابر ہندوستان میں جاری رہا، صرف اکبر کی حکمتِ عملی کے سبب سے سو برس تک اس کا نفاذ نہیں ہوا، اورنگزیب نے پھر قدیم دستور کے مطابق اس کو جاری کر دیا،

اب سوال یہ ہو کہ وہ محصول جو ہندوستان میں مسلمانون کی آمد کے وقت سے تھا، اور جس پر غیر مسلم رعایا نے کبھی شور نہیں مچایا، آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ اورنگزیب کے زمانہ میں اس کے متعلق ناراضی پیدا

ہوئی؟ بلاشبہہ فیروز شاہ نے جب برہمنوں پر جزیہ تشخیص کیا تھا، تو ان کی طرف سے پُرامن نافرمانی ہوئی تھی اور بھوک ہڑتال چند روز تک قائم رکھی گئی تھی لیکن چونکہ برہمنوں کا جزیہ سے استثنا سلاطین قدیم کی غلطی تھی، اس لئے فیروز شاہ نے کچھ پروانہ کی، اور خود ہندوستان نے برہمنوں کو سمجھا کر بھوک ہڑتال سے باز رکھا[۱]، اور پھر عرصہ تک جزیہ کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی گئی لیکن اورنگزیب کے زمانہ میں دفعتہً ایک ہیجان پیدا ہوا جس نے ملک کے متعدد حصوں میں آگ لگادی، فیروز شاہ کے زمانہ کے برہمن تو اپنی امتیازی شان قائم نہ رہنے پر ناراض تھے، اورنگزیب کے زمانہ کے ہندوؤں کو کس بات کا گلہ ہوسکتا تھا؟

علامہ شبلی مرحوم نے مضامین عالمگیر (ص ۴۰) میں اس سوال کا یہ جواب دیا ہے، کہ چونکہ یہ محصول (جزیہ) ایک مدت سے موقوف ہوچکا تھا، اس کا نئے سرے سے قائم کیا جانا کیونکر گوارا ہوسکتا تھا؟ لیکن جب یہ واقعہ ہے کہ جزیہ نہایت قدیم محصول تھا، اور ہندوستان صدیوں سے اس کا عادی تھا، اور اورنگزیب نے ۱۰۶۸ھ سے لے کر ۱۰۸۰ھ تک تمام خلاف شریعت محصول اور نذرانے بند کردیئے تھے[۲]، اور ان کے بجائے نہایت خفیف محصول (جزیہ) ۱۰۹۰ھ میں جاری کیا تھا تو پھر ایسے محصول کی اتنی شدید مخالفت اور اس کے خلاف بغاوتیں سمجھ میں نہیں آتیں،

سر جادوناتھ سرکار نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ محصول "ذلت" کی ایک علامت تھی، جس سے بغض وحسد کے جذبات میں ہیجان پیدا ہوتا تھا، نیز تحصیل کی شدت بھی مظاہروں اور بغاوتوں کا باعث تھی آخری بات کا جواب اسی عنوان میں اور پہلی چیز کا گذشتہ صفحات میں آچکا ہے،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان بغاوتوں سے اسلامی سیادت کی مخالفت مقصود تھی، ہم نے اوپر لکھا ہے کہ بلا واسطہ ٹکس سے سیاسی بیداری پیدا ہوتی ہے، اور جزیہ اس کا شاہد عدل ہے کہ اس کی وجہ سے یہ بیداری ہندوؤں میں پیدا ہوئی، سب سے پہلے فیروز شاہ کے زمانہ میں برہمنوں نے سیاست میں قدم رکھا،

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۳۸۱، ۳۸۳ [۲] یہ واقعات خافی خان نے لکھے ہیں، اور الفنسٹن کی تاریخ میں اس کا تذکرہ کیا ہے

اور ہمارے اس زمانہ کے لیڈروں کی طرح اُس زمانہ میں بہت سے لیڈر پیدا ہو گئے جنھوں نے پر امن ترک موالات کا مقاطعۂ جزیہ کی شکل میں آغاز کیا، جس سے شہر کے تمام ہندوؤں کو اُن سے ہمدردی پیدا ہوئی، بعد میں شاید آگے چل کر یہ چنگاری اندر اندر سلگ کر اور بھڑکتی، لیکن اکبر کی حکمت عملی نے اس کے خطر سے محفوظ رہنے کے لئے، خود اس محصول ہی کو موقوف کر دیا[1]، اور یہ آگ کچھ عرصہ کے لئے دب گئی، اورنگزیب کے زمانہ میں راجپوتانہ کے راجپوتوں اور مہاراشٹر کے مرہٹوں نے از سر نو اس آگ کو ہوا دی، جس پر جزیہ کی دوبارہ تشخیص نے تیل کا کام دیا، اور سیواجی، مہارانا چتوڑ اور راجہ جسونت[2] وغیرہ نے سلطنت مغلیہ کے خلاف وہ فضا پیدا کی کہ راجپوتانہ کی طرح دکن بھی اس سے متاثر ہوا، اور مختلف مقامات میں مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، سیواجی نے جزیہ کے متعلق بارگاہ سلطانی میں جو خط بھیجا تھا، اس کو سرجادو ناتھ نے نقل کیا ہے[3]، راجپوتانہ کے راجاؤں کی سرکشی کے واقعات خافی خان وغیرہ نے قلمبند کئے ہیں، گجرات والوں کی مخالفت کا پتہ اس فرمان شاہی سے چلتا ہے، جو دیوان صوبہ کے نام آیا تھا، اور مرآۃ احمدی کے حوالہ سے اوپر نقل ہو چکا ہے، برہانپور اور دکن کے ہنگاموں کا تذکرہ خافی خان میں ہے، اور سرکار نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے،

---

[1] لیکن اس کے بجائے، اور دوسری قسم کے محصول بڑھا دیئے، جن پر ہمیشہ مغلوں کے عہد حکومت میں اورنگزیب کے زمانہ تک عمل رہا۔ [2] خافی خان ص ۲۶۱، ۲۶۲، ج ۲، [3] سیواجی کے اس خط کے متعلق سخت اختلاف ہے، رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے مسودہ میں اس کو سیواجی کی طرف منسوب کیا ہے، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے مسودہ میں شمبھوجی کا نام آیا ہے، آرم (Orme) کے اقتباسات میں جسونت سنگھ اور ٹاڈ (Tod) نے مہارانا راج سنگھ کا نام لیا ہے، شمبھوجی اور جسونت تو تاریخوں کی وجہ سے خارج از بحث ہو جاتے ہیں، البتہ اندرونی شہادت اور خود نوشت سوانحی تفصیلات راج سنگھ کے بجائے سیواجی پر منطبق ہوتے ہیں، رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے مسودہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خط کا مضمون نیلا پربھو نے بنایا تھا جو سیواجی کا فارسی کاتب تھا لیکن تحریر کا انداز

Marfat.com

ان واقعات کی روشنی میں جزیہ کی تحصیل میں باقاعدگی، یا پروفیسر جدو ناتھ کے الفاظ میں "تشدد" کا سبب کچھ اور معلوم ہوتا ہے جس کو ہم بہ تفصیل لکھتے ہیں،

(۱) **مقاومتِ مجہولہ**: اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوؤں نے آزادی کے لئے جو لڑائی شروع کی، اس کی ابتدا "فیر ذوشاہی" برہمنوں کی تقلید میں مقاومتِ مجہولہ یا پرامن ترک موالات سے کی گئی، سرجادو ناتھ نے لکھا ہے، کہ ۲ر اپریل ۱۶۷۹ء (یکم ربیع الاول ۱۰۹۰ھ) سے تمام سلطنت میں جزیہ کا قانون نافذ ہوا، جب یہ خبر پھیلی تو دہلی اور مضافات کے صدہا ہندو جمع ہو کر جمنا کے کنارے قصر شاہی کے سامنے جا کر کھڑے ہوئے، اور جزیہ کی منسوخی کے لئے شور مچایا، اس کے بعد جمعہ کے دن نماز کے وقت باب قلعہ سے لے کر جامع مسجد تک سڑک پر دہلی شہر اور چھاؤنی کے ہندو کھڑے ہو گئے اس کے بعد بھی چند روز تک یہ سلسلہ جاری رہا، اسی زمانہ میں سیوا جی کا خط آیا، (تاریخ اورنگ زیب ص ۲۷۶، ۲۷۷) ظاہر ہے کہ ان شورشوں میں جزیہ کی آمدنی کم ہو گئی ہوگی،

(۲) **بغاوت**: چونکہ عالمگیر کی رعایا مسلح تھی، اس "پرامن" مقابلہ نے جنگ کی شکل بہت جلد اختیار کر لی، اور رانا راج سنگھ والی جے پور اس تحریک کا سرگروہ بن گیا، رانا کو سیوا جی نے اپنے خط میں ہندوؤں کا سردار لکھا ہے، (تاریخ اورنگ زیب ص ۲۰۹، Appendix VI) سیوا جی پہلے سے مخالف تھا، اور مرہٹہ حکومت کا خواب دیکھ رہا تھا، وہ بھی اس تحریک میں شامل ہوا، اورنگ زیب کے نام ایک سخت خط لکھا، ان دو کے علاوہ راجپوتانہ کے بہت سے راجا مخالف ہو گئے، پھر دکن کی رعایا بگڑ گئی اور ایسی سرکشی اختیار کی کہ تحصیلداروں کے تقاضے کے باوجود جزیہ دینا بند کر دیا، خافی خان لکھتا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹) بتلاتا ہے کہ اس خط میں بہت سے ٹکڑے الحاقی ہیں، اس کا لکھنے والا اورنگ زیب کا معاصر اور کمزور حریف سیوا جی نہیں معلوم ہوتا، بلکہ آج کل کا "مصلح" اور ملک کا "نجات دہندہ" سیوا جی معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ اس خط میں راج سنگھ کو ہندوؤں کا لیڈر کہا گیا ہے، اور اس جملہ پر خود سر جادو ناتھ کو بھی اعتراض ہے، اور جنوری ۱۹۰۸ء کے ماڈرن ریویو میں انھوں نے اس پر تنقید بھی لکھی ہے اس لئے اس خط کی صحت بہت مشکوک، ناقابلِ اعتبار بلکہ جعلی ہے،

Marfat.com

ازانکہ کفارِ بلدہ و پرگنات در اداے جزیہ بسیار بسختی یا منصوب کردۂ پادشاہی پیش می آمدند

و ہیچ پرگنہ نبود کہ رعایا بہ امدادِ فوجداران و مقدمانِ سرکش جنگ و ہنگامۂ فساد ننماید"

(ص۲۷۰، جلد۲)

گجرات کی رعایا میں بھی بعض ایسے سرکش موجود تھے، چنانچہ شہنشاہ کے فرمان بنامِ دیوانِ صوبہ

مین یہ فقرہ بھی ہے،

"واگر ازرا و تمرد جزیہ سالِ اوّل ادانہ کردہ باشد" (مرأۃ احمدی ص ۳۲۲ ج ۱)

غور کرو! وہ رعایا جو سلطنت کے تحصیلداروں کے ساتھ زیادتی کرے، سرکش چودھریوں، اور

فوجداروں کے جتھوں میں شامل ہو کر آمادۂ فساد ہو، اس کا جزیہ نہ دینا، کیا غربت اور مسکنت کی بنا پر ہو سکتا

ہے؟ ایسی سرکش رعایا کے متعلق اگر اورنگزیب نے یہ حکم دیا کہ تحصیلداروں کی مستعدی اور طلب و تقاضے کے

باوجود جس نے جزیہ نہ ادا کیا ہو، اور سرکشی کی نیت بھی نہ رہی ہو، تو اس کا جزیہ (بقایا) معاف کر دیا جائے،

اور جس نے سرکشی سے جزیہ بند کیا ہو، اس سے وصول کیا جائے، تو اس میں کیا بے انصافی ہوئی؟ اور اگر یہ

بے انصافی تھی، تو سرجدو ناتھ کو "انصاف" کی کوئی مثال تاریخ ہند سے پیش کرنی چاہئے تھی،

سرجدوناتھ نے اعتراض کیا ہے کہ دکن کی رعایا سے بجبر جزیہ وصول کیا جاتا تھا، بے شبہہ میر عبدالکریم

کے ساتھ سوار اور پیادے گئے تھے، اور کوتوال کو بھی حکم پہنچا تھا کہ "جو اداے جزیہ میں سستی کرے، اس کو سزا

دی جائے" (خافی خان ص ۲۷۸، جلد ۲) اس کی وجہ یہ تھی کہ دکن کی رعایا تحصیلداروں پر سختی کرتی تھی، اور

سرکش فوجداروں اور چودھریوں سے اس معاملہ میں مدد لیتی تھی، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، جسے معترض

نے نظر انداز کر دیا ہے،

اس سرکشی کی وجہ سے جزیہ کی آمدنی پر جو اثر پڑا تھا، اس کا اندازہ صرف ایک صوبہ (دکن) کے

ایک واقعہ سے کرنا چاہئے، میر عبدالکریم امین جزیہ برہان پور، بارگاہ سلطانی میں اطلاع دیتے ہیں،

Marfat.com

جزیہ تمام بلدۂ برہان پور سال گذشتہ بست و شش ہزار روپیہ داخلِ خزانۂ سرکار گشتہ

خانہ زاد در مدتِ سہ ماہ از پورجاتِ نصفِ بلدہ یک لک و ہشت ہزار روپیہ عائدِ سرکار

ساختہ" (خافی خان ص ۲۷۹)

آدھے شہر کے مواضعات سے تین ماہ میں ایک لاکھ ۸ ہزار روپیہ وصول ہوا، جو میر عبدالکریم کے حسنِ انتظام کا نتیجہ تھا، حالانکہ اُن سے پیشتر بُرہان پور کے تمام مواضعات کا سالانہ جزیہ ۲۶ ہزار وصول ہوا تھا، پروفیسر سرکار کے نزدیک یہ حاکم کی سختی کا نتیجہ تھا، حالانکہ خافی خان کے مطابق یہ اس وصف کا کرشمہ تھا، جو لفظِ "ضابطہ" کے اندر جھلک رہا ہے "ضبط" کے معنی ہیں کسی چیز کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنا۔

(۳) **رقمِ جزیہ کی معافی**: تیسری چیز جس نے جزیہ کی آمدنی پر اثر ڈالا یہ تھی کہ بعض رحم دل اور سادہ لوح مسلمان حکام نے ہزاروں ہندوؤں کو غیر مستطیع سمجھ کر جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا تھا، حالانکہ وہ غیر مستطیع نہ تھے، ان حکام میں سے ایک **امانت خان** بھی تھا، خافی خان (ص ۳۷۷، ۳۷۸) اس کے متعلق لکھتا ہے

"آما روزے رشید خان دیوانِ خالصہ کہ با امانت خان پارۂ سوے مزاج بہم داشت، پروانہائے

معافی جزیہ را کہ امانت خان با دست آویز ہائے مختلف ہنود نوشتہ میداد، بہ بادشاہ در اجرائے

جزیہ نہایت تقید بود از نظر گذرانیدہ، عرض نمود کہ از نصف ہنود بیشتر را امانت خان سند عدم

مزاحمت جزیہ دادہ خلافِ مرضی بظہور آمد"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی آبادی کے نصف سے زائد حصہ کو جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا، پھر آمدنی کیوں کم نہ ہو جاتی؟

اورنگزیب نے اسی موقع پر امانت خان سے فرمایا تھا کہ

"در مقدماتِ دیگر مالی و ملکی آنچہ سندِ معافی بمردم می دہند مختارید، اما جزیہ کہ بہزار دشواری

بر کفار جاری ساختہ ایم، معاف نمودن آن بدعت، و باعثِ برہم خوردن بند و بستِ جزیہ می گردد"
(خافی خان)

Marfat.com

سرکار نے اس فرمان کو اورنگزیب کی سختی اور وصولیِ جزیہ میں "تشدد" پر محمول کیا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ چونکہ جزیہ کی آمدنی بہت کم رہ گئی تھی، اور انکم ٹیکس کے طور پر غیر مسلموں کا یہی ایک محصول تھا، اس لئے بادشاہ نے تاکید کی کہ اور معاملات میں معافی کی سند دینے کا اختیار ہے لیکن جزیہ میں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ سرکار نے بڑا "دشواری" اور "بدعت" کے الفاظ کو بڑی اہمیت دی ہے لیکن اس میں کیا چیز خلافِ واقعہ ہے؟ کیا شورشوں، بغاوتوں اور مظاہروں نے جزیہ کے نفاذ میں دشواری نہیں پیدا کی تھی؟ اور کیا پرانے اور صحیح دستور کو اٹھا دینا "بدعت" (نئی بات) نہیں ہے؟

ناظرین! گذشتہ تینوں صورتوں سے بخوبی اندازہ ہوا ہوگا کہ جزیہ کے باقاعدہ نظم و نسق کا کیا سبب تھا؟ واقعات شاہد ہیں کہ "پُرامن متشدد" بغاوتوں اور جزیہ کی معافی کے سبب آمدنی کم ہو گئی تھی، اس لئے محکمہ کو باضابطہ کیا گیا تھا، سرجادوناتھ نے سبب کو مسبب اور مسبب کو سبب قرار دیکر معاملہ کو بالکل اُلٹ دیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ چونکہ محکمہ میں سختی تھی، اس لئے گذشتہ واقعات پیش آئے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ چونکہ واقعات پیش آئے اسلئے محکمہ کو باضابطہ کیا گیا۔

بعض اور غلط فہمیاں | گذشتہ پانچ بڑے مغالطوں کے علاوہ پروفیسر جادوناتھ کی بعض خوش فہمیاں اور بھی ہیں، مثلاً:

(۱) جزیہ اشاعتِ اسلام کا ذریعہ تھا، اس کا جواب اگرچہ علامہ شبلی مرحوم نے نہایت معقول اور دلچسپ دیا ہے کہ:

"ایسا ٹیکس جس کی تعداد اس قدر قلیل تھی، .... کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی اس سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا؟ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹیکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا؟ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہم کو اس کے مذہب کے ضائع ہونے کا رنج بھی نہ کرنا چاہئے!!"

(مقالاتِ شبلی مضمون الجزیہ ص ۲۳۰ ج ۱)

لیکن یہ جواب معترض کے لئے اس بنا پر کافی نہیں ہے، کہ وہ ساری ذمہ داری عالمگیر کے "ضعیف" کاندھے پر ڈالنا چاہتے ہیں، وہ مآثر عالمگیری کے حوالے سے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس محصول (جزیہ) کا مقصد اسلام کی اشاعت اور کفر کا ازالہ تھا، حالانکہ یہ مقصد اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ کہاں سے نکلتا ہے کہ عالمگیر کی یہ رائے تھی، جزیہ کا فرمان اگر بلفظہٖ موجود ہو، اور یہ ثابت ہو جائے کہ الفاظ خود عالمگیر نے لکھوائے تھے تو بے شبہ یہ استدلال صحیح ہوگا، لیکن عمالِ حکومت کے منشی اور محرر یا اس زمانہ کے مورخ اپنے جذبات کو اگر فرامین شاہی یا اپنی عبارتوں کی تمہید میں ظاہر کریں، تو اُن کا ذمہ دار عالمگیر کیسے قرار پائے گا؟ مآثر عالمگیری یا مرآۃ احمدی جس کو بھی اٹھا لیا جائے، الفاظ خود مصنفین کے ہیں، اس لئے عالمگیر اُن کی بنا پر موردِ الزام نہیں ہو سکتا۔

(۲) جزیہ زائد ٹکس تھا جس سے صرف مسلمان محفوظ تھے، یہ غلط ہے اورنگزیب نے جزیہ کی طرح وصولی زکوٰۃ کا فرمان بھی نافذ کیا تھا جو مرآۃ احمدی وغیرہ میں درج ہے، اس لئے پروفیسر صاحب کے الفاظ کو ذرا بدل کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے "کہ زکوٰۃ زائد ٹکس تھا جس سے صرف ہندو محفوظ تھے"

(۳) ملازمینِ سلطنت جزیہ سے مستثنیٰ تھے، اس خیال میں سرکار اور "ارسطو" مختلف ہیں، ارسطو نے فوج میں امرائے جزیہ کی موجودگی سے جن کا ذکر ۱۲ جولائی ۱۷۰۲ء (۱۱۱۴ھ) کے اعلان میں ہے، یہ استدلال کیا ہے کہ فوج میں ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا، ورنہ امرائے جزیہ کی موجودگی کے کوئی معنی نہیں ہیں، لیکن مرآۃ احمدی (ص ۳۴۱ ج ۱) میں اورنگزیب کے اس حکم کی موجودگی میں جو عنایت اللہ خان مہتمم جزیہ کے نام ہے،

"از ملازمان سرکار دولت مدار مواخذہ نکنند سوائے آن از جمیع ذمیان مطابق شرع شریف بگیرند"

ارسطو کے خیال کی کوئی اصلیت نہیں رہتی، اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ نہ فقدی صورت

Marfat.com

مین ملازمین سلطنت سے جزیہ لیا جاتا تھا، اور نہ خدمت کی صورت مین، بلکہ اُن کی خدمات پر اُن کو اُلٹا معاوضہ ملتا تھا، فوج مین امراے جزیہ کی موجودگی کے ایک اور معنی بھی ہوسکتے ہین یعنی امیر جزیہ کے ساتھ امداد کے لئے فوج ہو، جیسا کہ میر عبدالکریم کے ساتھ فوج بھیجی گئی تھی، کیونکہ رعایا باغی تھی، اور یہ تو بہر صورت ممکن ہے، کہ فوج مین جزیہ کا کوئی دفتر ہوتا ہو، تاکہ باغی علاقون کے قبضہ مین آنے کے بعد جزیہ وصول کیا جاسکے،

Marfat.com